اطلاع :- یہ رسالہ باجازت انجمن احمدیہ قادیان شائع کیا گیا + تمام حقوق محفوظ ہیں

انبیا روشن گہر ہستند لیک ہست احمد زان ہمہ روشن ترے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بغیر مہر یا دستخط قلمی مؤلف کے مال سرقہ سمجھا جاوے گا

غلامی

جسکو

شیخ صلاح الدین صاحب بی اے ہیڈ ڈرافٹسمین پشاور

ملٹری ورکس نے مشہور و معروف رسالہ ریویو آف ریلیجنز

کے

مضامین کو فائدہ عام کے لئے

[illegible] باہتمام [illegible] مطبع [illegible] طبع کرایا

ربیع الاول ۱۳۲۴ ہجری مطابق مئی ۱۹۰۶ء

تعداد ایکہزار ...... قیمت فی جلد

اول و دوم آخر [illegible] آے ختم [illegible] انگریہ بعد آمدے

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

غلامی

اسلام سے پہلے غلامی کی حالت

جن لوگوں نے غلامی کے خلاف لکھا ہے۔ انہوں نے اس کی ایسی تقبیح کی ہے اور اسے سرتاپا انسانی خوبیوں سے خالی اور مضرات سے پُر ثابت کر کے دکھانے کی کوشش کی ہے۔ کہ جو شخص ٹھنڈے دل سے اور جوش سے خالی ہو کر اس مضمون پہ قلم اٹھاوے۔ اور جس کا مقصد یہ ہو کہ ہر شئے کی تہ تک پہنچے۔ اور بدی پہ اس وقت بھی لعنت بھیجنے کے لئے تیار ہو۔ جب وہ نیکی کا لباس پہن کر نکلے اور نیکی کی اس وقت بھی تعریف کرنے کے لئے آمادہ ہو۔ جب دنیا اس نیکی کو بُرا سمجھ رہی ہو۔ اس کا یہ فرض ہے کہ ابتدا میں ہی اس غلط فہمی کو دور کرے۔ کہ غلامی کا رواج سراسر لغو اور فضول تھا۔ جس سے فائدہ کوئی نہ تھا بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان تھا۔ میں اس رائے کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا حق یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی اپنی تدریجی ترقی میں ایسی

جانوروں سے ہو گزری ہے۔ کہ ان حالات کے ماتحت غلام بنانے میں نہ صرف وہ حق پر ہی تھی بلکہ ضروری تھا۔ کہ ایسے حالات میں غلامی کا رواج ہوتا۔ دنیا میں بہت سے رواج اب تک چلے آتے ہیں جن پر غور کرو تو دل میں ایک وحشت سی پیدا کرتے ہیں مگر تاہم بہت سی اغراض ترقی کے لئے ان کا جاری رہنا ضروری ہے۔ جس وقت ایک فتحیاب جرنیل بڑے بڑے جہازوں کو جن پر ہزارہا انسان ملک کے چیدہ اور نوجوان موجود ہوتے ہیں ایک دم میں غرق کر کے سمندر کی تہ میں پہنچا دیتا ہے۔ یا ایک بڑے شہر پر گولہ باری کر کے بیشمار بے گناہ عورتوں اور بچوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ تو کبھی اس کی آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں آتا مگر ہر حالت میں یہ کہنا جائز نہ ہوگا۔ کہ وہ ایک سخت دل ظالم اور بیرحم انسان ہے وہ لوگ جو اپنی رحمدلی کے سبب ایک انسان کے قتل کو برداشت نہیں کر سکتے اور اس کے واقعات کو سن کر کانپ اٹھتے ہیں۔ وہی دوسرے موقعہ پر ہزارہا انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھکر کبھی لرزہ نہیں کھاتے بلکہ بسا اوقات خوش ہوتے ہیں جنگوں کا ہونا انسانی سوسائیٹی کی ضروریات میں سے رہا ہے۔ اور اب تک یہی حال ہے۔

جوں جوں انسانی گذشتہ تاریخ کو مطالعہ کیا جاوے یہ معلوم ہوگا۔ کہ لڑائیاں انسان کی ابتدائی ترقی میں اس کی موجودہ حالت سے بڑھکر ضروری رہی ہیں۔ اور انہیں جنگوں کے لوازمات میں سے ہی غلامی بھی ہے یا تھی بلکہ درحقیقت غلامی کا رواج انسانی ترقی میں ایک عظیم مرحلہ تھا۔ کیونکہ اس رواج کے ساتھ وہ بیرحمی جاتی رہی جس کے رو سے کل کے کل اسیر جو کسی دوسری قوم کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگے ہوں۔ قتل کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے "مگر اس بات کو ابھی تک لوگوں نے اچھی طرح نہیں سمجھا۔ کہ پچھلی تمدنی تدریجی ترقی میں جنگ ایک ضروری غرض پورا کرنے والی تھی۔ اصل اس لحاظ سے کہ جنگ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ متفرق قومیں ایک ہو

جادین۔ اور اس لحاظ سے یہ ضروری تھا۔ کہ مخالفین میں سے جو لوگ پکڑے جاویں وہ ایک ماتحتی کی حالت میں رکھے جاویں۔ تا دوبارہ اس قوم کو سر اٹھانے کی طاقت نہ ہو۔ اور یوں جنگ کا اصل مقصد حاصل ہو۔ دوم اس لحاظ سے کہ یہ مسلم امر کہ ابتدا میں انسانی سوسائیٹی میں محنت اور مشقت کے کاموں سے گریز کیا جاتا ہے اور عموماً آرام طلبی زیادہ ہوتی ہے۔ پس جب ایک قوم کے لوگ اپنے مخالف کے ہم جنگوں کو درمیان آکر رہیں گے۔ تو وہ سوائے مجبوری کے کبھی کام نہ کریں گے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان کو غلام بنا کر ان سے کام لیا جاوے۔ اس دوسرے امر کے متعلق اس قدر کہنا کافی ہے۔ کہ دنیا کی کسی قوم میں بھی خود بخود اور خوشی سے محنت کو اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہر ایک ملک میں جس کا ہمیں علم ہے یہی نظر آتا ہے۔ کہ زبردستوں نے مجبور کر کے زیردستوں کو کام پر لگایا ہے۔ اور ان سے محنت شاقہ کے کام لیتے ہیں۔ اور آخر جب مدت تک یہ مجبوری چلی آئی تو پھر اس قوم کی عادت میں یہ امر داخل ہو گیا۔ امر اول کے لحاظ سے آزاد آدمی لازماً جنگ پیشہ تھے۔ اور غلام محنت کا کام کرنے والے لوگ تھے۔ اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے لئے بطور معاون تھے۔ اور ایک کا وجود دوسرے کے سہارے اور آسائش کے لئے اور اس کے کام پر لگا رہنے کے لئے ضروری تھا۔ اور یوں بغیر مقابلے اور جھگڑے کے وہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہو کر انسانی سوسائیٹی کی ترقی کے ذریع تھے۔!

اسیران جنگ کے قتل کی بجائے ان کے غلام بنا لینے کے رواج کی تدریجی ترقی اسرائیلی شریعت میں واضح طور پر نظر آتی ہے اسیران جنگ کو الگ چھوڑ کر اول تو یہی حکم ہے۔ کہ جو کوئی فقط خداوند کے سوا کسی معبود کے لئے قربانی کرے سو وہ عذاب سے مار ڈالا جاوے۔" (خروج ۲۲/۲۰) ایسا ہی استثنا ۱۳ آیت ۱۲-۱۸ میں یہ حکم ہے۔ کہ جس شہر کے لوگ غیر معبودوں کی پرستش کرنے والے ہوں تو تو اس شہر کے باشندوں کو

تلوار کی دھار سے ضرور قتل کریگا۔ اور اس کی ساری لوٹ کو وہان کے کوچے کے بیچ
بیچ اکٹھا کریگا۔ اور اس شہر کو اور وہین کی لوٹ کو خداوند اپنے خدا کے لئے آگ سے
جلا دیگا۔ اور وہ ہمیشہ کو ایک ٹیلا ہوگا۔ پھر بنایا نہ جائیگا۔" پھر استثنا ۲۰/۱۶ مین میں
لکھا ہے "لیکن ان قومون کے شہرون مین جنہین خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے
کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے۔ جیتا نہ چھوڑیو بلکہ تو ان کو حرام کیجیو۔ حتی اور
اموری۔ اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھے
حکم کیا ہے۔" یہ احکام عمل میں بھی آتے رہے۔ چنانچہ گنتی ۲۱/۳ مین مذکور ہے چنانچہ
خداوند نے اسرائیل کی آواز سنی اور کنعانیون کو گرفتار کر دیا۔ اور انہون نے انہین اور
ان کی بستیون کو حرام کر دیا۔" (حرم دینے سے مراد یہ ہے۔ کہ ہر ایک جاندار شے
کو ہلاک کر کے تباہ کر دینا) پھر قاضیون ۱/۱ میں لکھا ہے "اور انہون نے ان کنعانیون
کو جو صفت مین رہتے تھے۔ جا مارا اور شہر کو حرم کر دیا۔" ایسا ہی دیکھو قاضیون ۲۱/۱۰،۱۱
جہان لکھا ہے "اور انہین حکم دیا۔ کہ یبیس جلعاد کے باشندون کو جا کے عورتون اور
بچون سمیت قتل کرو۔" یشوع ۶/۲۴ "پھر انہون نے اس شہر کو اس سب سمیت جو اس
مین تھا پھونک دیا۔" اسموئیل ۱۵/۳ "اب تو جا اور عمالیق کو مار اور سب جو کچھ کہ ان کا ہے
یک لخت حرم کر اور ان پر رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت ننھے بچے اور شیر خوار اور بیل بھیڑ اور
اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔" اتواریخ ۴/۴۳ "اور معونیم کو جو وہان ملے قتل کیا
ایسا کہ وے آج کے دن تک نابود ہین۔" معلوم نہین ان پادری صاحبان کو ایسے ایسے
واقعات پڑھکر کچھ شرم آتی ہے یا نہین جو اسلام پر اس لئے اعتراض کرتے ہین۔
کہ اپنی حفاظت کے لئے بھی تلوار کیون اٹھائی گئی۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ ہے۔ اسرائیلی
شریعت کو غور کی نگاہ سے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آہستہ آہستہ اسیران
جنگ کو بجائے قتل کرنے کے غلامی مین لینے کا نرم قانون بھی مروج ہونا شروع ہو گیا تھا

اور یون ان کی زندگی بیچ کر وہ اپنے آقا کی خدمت مین زندگی بسر کرتے اسی برسے غلامی کا قانون بھی حضرت موسے کی شریعت مین پایا جاتا ہے۔ مگر عام رسم اس زمانہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ مردون کو قتل کر دیا جاتا۔ اور عورتون اور بچون کو غلام بنا لیا جاتا۔ دیکھو استثنا باب ۲۰۔ آیت ۱۰ سے ۱۴۔ مگر اسرائیلیون کے درمیان صرف جنگ ہی غلام بنانے کا ذریعہ نہ تھی بلکہ وہ دوسری قومون کے ساتھ غلامون کی خرید و فروخت بھی کرتے تھے۔ اور بعض ایسی اقوام ان کے قریب قریب آباد تھین۔ جو غلامی تجارت مین بہت مشہور تھین اس ذریعہ سے غلامون کی کثرت ہو گئی ہو

مگر اسرائیلی شریعت مین غلام کی حالت ایسی خراب نہ تھی۔ جیسا دوسری بعض قدیم اقوام کے اندر کل شامی قومون کے درمیان غلام کو خاندان کا ایک ممبر سمجھا گیا ہے۔ اور اسی لیئے ان اقوام کے اندر آقا کا سلوک غلام کے ساتھ عموماً نرم رہا ہے۔ اگرچہ مالک کو ہر طرح سے اختیار حاصل تھا۔ مگر وہ اس کو جان سے نہین مار سکتا تھا۔ صرف ایک استثنا تھی۔ جو خروج باب ۲۱۔ آیت ۲۰۔ ۲۱ مین مذکور ہے"۔ اور کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھیان مارے اور لاٹھیان کھاتی ہوئی مر جائے۔ تو اُسے سزا دیجائے۔ لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جیوے تو اُسے سزا نہ دیجائے۔ اس لئے کہ وہ اس کا مال ہے اگر آزاد آدمی کسی دوسرے کے غلام یا لونڈی کو مار دیتا۔ تو صرف خونبہا مالک کو دینا ہوتا تھا (خروج باب ۲۱۔ آیت ۳۲)۔ جو غلام قوم اسرائیل کے تھے۔ اُن سے غیر اسرائیلیون کی نسبت عمدہ سلوک ہوتا تھا۔ چھ سال غلام رہنے کے بعد وہ بغیر فدیہ لینے کے آزاد سمجھے جاتے تھے۔ (خروج باب ۲۱۔ آیت ۲)۔ مگر عبرانی لونڈی کے ساتھ غیر اسرائیلی غلام سا سلوک نہ کر سکتا تھا۔ اور مالک یا مالک کا بیٹا ہی اس پر تصرف کر سکتا تھا۔ اسرائیلی غلام جب چھ سال بعد آزاد ہوتا۔ تو مالک کو یہ بھی حکم تھا۔ کہ اُسے جاتے وقت کچھ ساتھ بھی دے (استثنا باب ۱۵۔ آیت ۱۳ و ۱۴) مگر دوسرے غلامون کو ان حقوق مین سے کوئی حق حاصل نہ تھا۔ ہان

اس کو عبادت میں شریک کرلیا جاتا۔ سو اس کی اصلی وجہ یہ تھی۔ کہ وہ کسی اور طرح پرستش کرنے کا مجاز ہی نہ تھا۔ بہرحال یون خاندان مین شامل ہوجانے سے غلام کو فایدہ ضرور پہونچتا تھا۔

یونانیون اور رومیون مین غلامی کے متعلق بھی چند لفظ بے موقعہ نہ ہونگے۔

یونان مین اسیران جنگ کے علاوہ کئی طرح سے لوگ غلام بنائے جاتے تھے۔ آزاد ان باپ اپنے بچے کو بیچکر غلام بنا دیتے تھے۔ اس کے علاوہ اور غلام بھی بازار مین بکنے کے لئے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ جو اکثر یا زبردستی چھین کر بھی غلام بنا لئے جاتے تھے۔ یونانی تہذیب کے بڑے بڑے مرکزون مین غلامون کی تعداد بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ایتھنز مین ۲۱۰۰۰ اصلی باشندون کی آبادی مین چار لاکھ غلامون کا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ کارنتھ میں ۴ لاکھ ساٹھ ہزار ایجانیا مین ۴ لاکھ ستر ہزار غلامون کی تعداد بتائی جاتی ہے۔ بعض مورخون نے ان اعداد مین کسی قدر مبالغہ بیان کیا ہے مگر کم سے کم اندازہ جو غلامون کی آبادی کا کیا گیا ہے۔ اس کے رد سے بھی غلامون کی آبادی آزاد آبادی سے تگنی بیان کیجاتی ہے۔

رومیون کے درمیان غلامی کا اصلی منبع جنگ ہی تھی۔ مگر جون جون دولت بڑھتی گئی غلامون سے خدمت لینے کی ضرورت بھی زیادہ ہوتی گئی۔ اور یہ ضرورت دو طرح سے پوری ہوتی رہی۔ یعنی ایک حد تک اسیران جنگ کی تعداد میں یوماً فیوماً ترقی ہوتی گئی۔ اور دوسری طرف غلامی کی تجارت شروع ہوکر خرید کے ذریعہ سے غلام آنے لگے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا مین لکھا ہے۔ کہ ایپیرس مین ایمیلین پالس کے فتوحات کے بعد ایک لاکھ پچاس ہزار قیدی بیچے گئے۔ دو اور مقامون پر بھی جنگ کے قیدیون کی تعداد اسیقدر بیان کی گئی ہے۔ سیزر نے ایک ہی موقعہ پر ترسٹھ ہزار قیدی فروخت کئے۔ آگسٹس نے سلاسی کے ملک مین چوالیس ہزار قیدی

گرفتار کیئے۔ محط اور تکلیفوں اور اکھاڑوں کی ہلاکت سے بعد بھی یہودی جنگ مین ستانوے ہزار غلام بنائے گئے" ایک سو چھیالیس قبل مسیح اور سنہ ۲۳۵ عیسوی کے درمیان کے زمانے میں بحساب اوسط ہر ایک آزاد کے لئے تین غلام تھے یعنی کل آزاد آبادی انہتر لاکھ چوالیس ہزار اور غلامون کی آبادی دو کروڑ آٹھ لاکھ بتیس ہزار تھی۔ امرا کے پاس غلاموں کی ایک خاصی فوج جمع ہوتی تھی۔ اگسٹس کے زمانے مین ایک شخص چار ہزار ایک سو سولہ غلام چھوڑ مرا ایسا معلوم ہوتا ہے۔ یونان اور اٹلی مین اس زمانے مین وسیع پیمانے پہ غلامی کی تجارت ہوتی تھی

رومی سلطنت کی نسبت یونان مین غلامون کی حالت اچھی تھی مگر یونان مین بھی ان غلامون کے علاوہ جنسے گھر کے کام لئے جاتے تھے۔ دوسرے غلامون سے سخت محنت لیجاتی تھی۔ جو غلام زراعت کے کام مین لگائے جاتے تھے۔ ان کو اکثر زنجیرین ڈالکر کام پہ لگایا جاتا تھا۔ اور ان سے محض چارپایوں کا سا سلوک ہوتا تھا۔ غلاموں اور عورتوں کی شہادت ان کو سخت اذیت پہنچا کر لیجاتی تھی۔ اگر غلام کا کوئی عضو ٹوٹ دیا جاتا یا اسے کوئی ضرب شدید پہنچائی جاتی تو غلام کو کوئی حق نہ پہونچتا۔ بلکہ اس کا معاوضہ مالک کو دلایا جاتا تھا۔ رومی قانون کے بموجب مالک کو مملوک پہ پورا حق حاصل تھا۔ یعنی جو چاہے اسے کرے یہاں تک کہ اسے جان سے مار ڈالنے کا بھی اسے حق حاصل تھا۔ جب غلاموں کی تعداد ترقی کر گئی تو چونکہ ان کے کام کی نگرانی کا انتظام عمدہ نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے یہ تجویز کی گئی کہ کام کے وقت غلام کو زنجیرین ڈالدی جاوین۔ اور یہ قاعدہ یہاں تک وسیع ہوا۔ کہ دروازہ پہ جو غلام محافظ ہوتا اس کو زنجیرین ڈالدیجاتین۔ اس مین شک نہین کہ بعض اوقات غلاموں سے نیک سلوک بھی کیا جاتا تھا۔ مگر غلاموں کی عام حالت نہایت ہی ذلیل اور بری تھی۔ اہلی سزا جو غلاموں کو دیجاتی تھی۔ وہ یہ تھی۔ کہ قصبہ سے نکال کر ان کو دیہات مین مزدوری

سے کام پر لگایا جاتا۔ اور سخت سزا یہ تھی۔ کہ اُن کو کارخانون یا کانون وغیرہ مین کام کرنے کے لئے بھیجدیا جاتا۔ جہان مرد اور عورتین ملے جلے قریباً ننگے زنجیرون سے بندھے ہوئے...... سپاہیون کی حفاظت اور کوڑون کے نیچے کام کرتے تھے۔ اگسٹس کے زمانے مین ویڈیس پالیو کا ذکر ہے۔ کہ وہ نہایت چھوٹے چھوٹے قصورون پر بلکہ اتفاقی غلطی کیوجہ سے بھی اپنے غلامون کو بحری اژدہاؤن کے آگے ڈالتا تھا۔

رومی سلطنت کے اندر ہی عیسائی مذہب بھی پیدا ہوا۔ اور اگر اس کا مشن غلامون سے حسن سلوک کا ہوتا۔ تو سب سے اول یہی ملک تھا۔ جو اس کی ایسی تعلیم کا محتاج تھا۔ کیونکہ جسقدر غلامون کی حالت رومی سلطنت مین ابتر ہو رہی تھی۔ ایسی اور کہین نہ تھی۔ ان کے ساتھ سخت سے سخت اور ظالمانہ سلوک ہوتا تھا۔ پس ایک مصلح کا پہلا فرض ایسی حالت مین یہ تھا۔ کہ اگر ان کی آزادی پر نہین تو کم سے کم ان کے ساتھ حسن سلوک پر ہی زور دیتا۔ اور ان مظالم کو جو قومون پر ہو رہے تھے۔ کھول کھول کر بیان کرتا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کے اقوال مین جو اسی زمانہ مین وعظ کر رہے تھے۔ ایک لفظ بھی ایسا نہین پایا جاتا۔ جس سے غلامون پر ظلم کے متعلق ان کا اظہار ناپسندیدگی کا پایا جاتا ہو۔ کم سے کم جو اقوال آپ کے اناجیل مین درج ہین۔ ان مین ایک لفظ بھی غلامون کے ساتھ حسن سلوک کے بارے مین نہین۔ اور نہ ہی مالکون کو ان بیرحمیون اور ظلمون سے روکا گیا۔ جو وہ غلامون پر کرتے تھے تعجب ہے۔ کہ سر ولیم میور جیسا مورخ اسلام پر یہ الزام دھرے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو دور نہین کیا۔ درآنحالیکہ اسے علم ہے۔ کہ بانی عیسائیت نے اپنے سارے وعظون مین ایک دفعہ بھی ان مظالم سے لوگون کو نہین

رو کا جو اس کی آنکھوں کے سامنے غلاموں پر ہوتے تھے حضرت مسیح کی اس خاموشی کا عیسائی مذہب پر یہ اثر ہوا کہ بحیثیت مذہب غلاموں پر ظلم اور ان کی گری ہوئی اور ذلیل حالت سے اس نے کبھی نفرت ظاہر نہیں کی۔ عیسائی صاحبان کا یہ دعوے ہے کہ چونکہ عیسائی مذہب نے بڑی بھاری تبدیلی جو دنیا میں کی وہ یہ تھی کہ سب انسان آپس میں بھائی ہیں اس لئے اسی تعلیم کا بالواسطہ اثر غلاموں کی حالت پر بھی پڑا اور اسکے ثبوت میں یہ امر پیش کیا جاتا ہے کہ عیسائیت کے زور پکڑنے کے ساتھ رومی سلطنت میں غلاموں کے ساتھ نرمی کا سلوک دن بدن بڑھتا گیا مگر اول تو پہلا دعوے ہی غلط ہے۔ یہ بات کہ سب انسان بھائی ہیں۔ تمام انبیاء کی تعلیم مشترک ہے اور مسیح سے پہلے سب نبیوں نے یہی تعلیم دی اور جب سے خدا نے شریعت دنیا میں نازل فرمائی ہے اسکے دو حصے ہی قرار دیئے ہیں یعنی اللہ تعالےٰ کے ساتھ پاک تعلق اور اسکی مخلوق سے نیک سلوک عیسائیت نے ہرگز اس بارے میں کوئی نئی تعلیم نہیں دی۔ باقی رہا رومی سلطنت میں غلاموں کی حالت کا بتدریج بہتر ہوتے جانا سو اسکا عیسائیت سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ اصلاح تو عیسائی مذہب کے زور پکڑنے سے مدت پہلے شروع ہو چکی تھی۔ دوسری صدی عیسائی میں جب ابھی عیسائی مذہب کو اپنی زندگی کا علم پڑا ہوا تھا قانون کا میلان آزادی کی طرف شروع ہو گیا تھا لڑکوں کے بیچنے وغیرہ کے رواج بند ہو چکے تھے کسی انسان کو غلامی کے لئے پکڑنا ایسا سنگین جرم قرار دیا جا چکا تھا کہ جس کی سزا موت تھی مالک سے غلام کو جان سے مار ڈالنے کا اختیار چھین لیا گیا تھا اور ہیڈرین کے زمانے کا ذکر ہے جو سنہ ۱۱۷ عیسوی میں تخت پر بیٹھا اس سے بہت مدت پہلے شاہ نیرو نے جو سنہ ۵۴ عیسوی میں تخت نشین ہوا عدالتوں کو یہ ہدایت کی تھی کہ غلاموں پر جو ظلم کئے جاتے ہیں ان کے متعلق استغاثوں کی سماعت کی جاوے۔ اب یہ سب تبدیلیاں جو قانون میں واقع ہوئی تھیں یہ زمانہ کی اپنی رفتار کا نتیجہ تھیں اور عیسائی مذہب کو ان سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ عیسائی مذہب کی اپنی بنیاد ابھی متزلزل تھی اور اسکا اثر پڑنا شروع نہ ہوا اور سچی بات تو یہ ہے کہ عیسائی مذہب بجائے اپنے گرد و پیش کے خیالات پر اثر ڈالنے کے بیشتر

دوسروں کے خیالات سے متاثر ہوتا رہا ہے۔ اسکے بنیادی اصول ہی اکثر ان کفار قوم سے لئے گئے ہیں جن کے درمیان یہ مذہب پیدا ہوا پھر اسکا اثر دوسرے رواجوں پر کیا ہونا تھا خصوصاً اس حالت میں جب اسکے بانی کے منہ سے ایک لفظ بھی غلامی کے دور کرنے یا غلاموں سے حسن سلوک کرنے کے متعلق نہ نکلا ہو۔ نیک اثر تو ایک طرف رہا یہاں تو تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو تغیر خود رفتار زمانہ سے غلاموں کی بہتری کا پیدا ہو رہا تھا اسکو عیسائی مذہب نے ترقی دینے کی بجائے بہت کچھ روکا۔ چنانچہ رومی عیسائی بادشاہوں کے بعض قوانین سے یہ ترقی معکوس معلوم ہوتی ہے مثلاً بچوں کی فروخت کو روکنے کا قانون پہلے پاس ہو چکا تھا مگر قسطنطین نے اس قانون کو منسوخ کرکے پھر اس بات کو مروج کر دیا کہ آزاد والدین اپنے بچوں کو بیچ کر غلام بنا سکیں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ بہت سی غلامی کی سختیاں عیسائیت سے دور ہو گئیں اسکی اصل حقیقت میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اصلاح تو پہلے ہی شروع ہو چکی تھی اور اسی رفتار سے تدریجاً ہوتی چلی گئی اور عیسائیت نے اس میں کوئی خاص حصہ نہیں لیا نہ ہی کوئی خدمت قابل تعریف کی ہے۔ باقی رہی عیسائیت کی وعظ کہ تمام انسان بھائی ہیں جس سے بڑے لمبے چوڑے نتیجے نکالے جاتے ہیں سو یہ محض خشک الفاظ ہی رہے ہیں اسکے ثبوت کیلئے ایک عیسائی کی شہادت کو پیش کرتا ہوں "مذہبی اخوت جیسی آج کل اسلام میں ایک واقعی طاقت ہے ایسی ہی یہودیوں میں بھی ایک واقعی طاقت تھی اور عیسائیت کی مذہبی اخوت کے ادعا کی طرح خالی دعوے ہی دعوے اور خشک لفظ ہی نہیں تھے" (دیکھو انسکلو پیڈیا ببلیکا کالم نمبر ۴۶۵۸) اور پھر جب ہم غلاموں کے بارے میں اس سنگدلی اور بیرحمی کو دیکھتے ہیں جس کا اظہار اٹھارویں صدی میں ہوتا تھا اور جو پورے زور شور کے ساتھ ڈیڑھ صدی کے وقت تک جاری رہی تو اور بھی اس دعوے کی حماقت کی شہادت ملتی ہے۔

ایک طرف قدیم زمانے کی دو بڑی مہذب اقوام یعنی رومیوں اور یونانیوں میں اور دوسری طرف قدیم زمانہ کے دو بڑے مذہبوں یعنی یہودیت اور عیسائیت میں غلاموں کی حالت پر غور کرنیکے بعد ہم اس

قابل ہیں کہ ان مضرات کو سمجھ سکیں جو رواج غلامی سے پیدا ہوتے تھے کیونکہ جہان ایک طرف قدیم سوسائیٹی میں غلامی کے رواج کے جاری رہنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جیساکہ تمام اقوام کی متفقہ شہادت سے ثابت ہے۔ دوسریطرف اسکی بعض قباحتیں بھی صاف نظر آتی ہیں جن کے دور کرنیکے بغیر غلامی انسانوں کے لئے واقعی لعنت کہی جاسکتی ہے غور سے معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کو اوّل تو جاہل اور تمام علوم سے محض نابلد رکھا جاتا تھا۔ پھر انکے ساتھ سخت ظلم کا برتاؤ کیا جاتا تھا پھر یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایسی مخلوق ہے جو صرف حقیر کام کرنیکے لئے اور ذلت میں زندگی بسر کرنیکے لئے پیدا ہوئی ہے اور انکو محض حیوانوں کی طرح سمجھا جاتا تھا دوسری طرف مالک کو مملوک پر کلی اختیارات حاصل ہونیکی وجہ سے مالک ایک چھوٹے سے ظالم بادشاہ کی طرح ہوتا تھا پس اخلاقی لحاظ سے اور ایک حد تک تمدنی پہلو میں غلامی کے رواج کا اثر بہت ہی برا تھا اور سب سے بڑی اور ضروری اصلاح جسکا یہ رواج محتاج تھا وہ مالک اور مملوک کے تعلقات کے متعلق تھی اس میں شک نہیں کہ نسبتاً اسرائیلی شریعت میں بہت کچھ نرمی غلاموں کے ساتھ کی گئی تھی۔ مگر عام اثر غلامی کا تو یہ ہوگیا تھا کہ مالک کے ساتھ سخت دلی اور مملوک کے ساتھ ذلت لگی ہوئی تھی۔ عیسائی مذہب نے باوجود ان بڑے بڑے دعووں کے جو آج پادری صاحبان ممبروں پر چڑھ کر کر رہے ہیں۔ ان مضرات کے روکنے یا انکی اصلاح کی کوئی تدبیر نہ بتائی اسلئے میں ان دوسری اصلاحوں کو بیان کرنیسے پہلے جو غلامی میں اسلامی قانون اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیں۔ یہ بیان کرونگا کہ غلاموں کے ساتھ کیسا حسن سلوک اس پاک شریعت نے چاہا ہے۔ آقا اور غلام کے باہمی تعلقات میں عظیم الشان اصلاح اسلام نے کی ہے اور اسی ایک اصلاح نے غلامی کی تمام بدیوں اور مضرات کو جڑ سے کاٹ دیا اور خاص اغراض کیلئے ایک نہایت ہی محدود دائرے میں غلامی کی برداشت کر کے حسن سلوک کے متعلق ایسی شرائط لگا دیں جنہوں نے غلامی کی تمام اخلاقی اور تمدنی مضرات کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا

اسلام مین غلامون سے سلوک

یہ ایک امر واقع ہے جس کی تصدیق روزمرہ واقعات سے ہو رہی ہے۔ کہ مسلمانون مین مالک اور مملوک کا تعلق مغرب مین آقا اور نوکر کے تعلق سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگ صاحب مرتبہ یا صاحب ثروت ہین۔ وہ غریب لوگون کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین۔ مگر یہ حقارت ان مغربی اقوام مین سب سے بڑھی ہوئی ہے جن کو اس بات پر فخر ہے۔ کہ ہم غلامی کے رواج سے آزاد ہو چکے ہین۔ اس مین شک نہین کہ غلامی کے نام کو تو انہون نے دور کر دیا ہے۔ مگر اس کی حقیقت اب بھی آقا اور نوکر کے تعلقات مین ویسے ہی پائی جاتی ہے۔ اور نام کی تبدیلی سے حقیقت مین کوئی تبدیلی واقع نہین ہوئی۔ ایک مہذب یورپین جب ایک غیر قوم کے آدمی کو ملازم رکھتا ہے تو وہ اسے ایک وحشی سے بھی بدتر سمجھکر سلوک کرتا ہے۔ خصوصاً اس حالت مین جب ملازم کا کام ادنی درجہ کا ہو۔ اور جہان تک سختی اور سلوک کا سوال ہے۔ کوئی شخص امتیاز نہین کر سکتا کہ صاحب کا سلوک اپنے نوکر سے اچھا ہے یا قدیم زمانے مین ایک رومی مالک کا تعلق اپنے غلام سے اچھا تھا۔ شاید ہی کوئی موسم گرما ایسا گزرتا ہوگا۔ جب یہ آواز ہمارے کانون مین نہ پڑتی ہو۔ کہ ایک غریب پنکھا قلی کو صاحب بہادر نے مار مار کر صرف اس لئے ہلاک کر دیا کہ اس بدقسمت کو تھک کر ذرا اونگھ آگئی تھی۔ اس حالت مین مین نہین سمجھتا کہ رومی مالک کو وہ کونسا اختیار اپنے غلام پر حاصل تھا۔ جو اب ایک مہذب عیسائی کو اپنے نوکر پر حاصل نہین یا کونسی بدسلوکی وہ کرتا تھا۔ جو اب نہین کیجاتی۔ اور گالیان دینا یا معمولی طور پر سزا دینا تو کوئی بات ہی نہین۔ مہذب یورپین اقوام کو غلامی کے موقوف کرنے پر اسوقت

تک مختصر نہین کرنا چاہیے۔ جب تک کہ حقیقت غلامی یعنی نوکر پر ظلم اور ان کے ساتھ بدسلوکی سے وہ نجات نہ حاصل نہ کرلین ۔ اگر غلامی کے موقوف کرنے مین بڑی غرض یہ تھی کہ جو ظلم ایک مالک مملوک سے خدمت لینے مین کر سکتا ہے۔ ان کو روکا جاوے۔ اور ان لوگون کو جو غلام کہلاتے ہین۔ ان کی ذلیل حالت سے نکالکر دوسرے انسانون کی طرح ان کو سمجھا جاوے تو مین دعوے سے کہتا ہون کہ یورپ مین سے ابھی تک غلامی کا رواج دور نہین ہوا۔ اور ابھی تک یورپ نے وہ مقصد حاصل نہین کیا۔ جو اسلام اس سے تیرہ سو سال پہلے حاصل کرچکا ہے۔ کیا یہ سچ نہین کہ یورپین لوگ دیسی ملازمون کو جن سے وہ خدمت کا کام لیتے ہین۔ وحشیون سے اچھا نہین سمجھتے۔ پھر اتنی بات سے کیا فرق ہو جائیگا کہ وہ ان کا نام غلام نہین بلکہ خادم رکھتے ہین۔ آقا اور خادم کے سچے تعلقات کو سمجھنے مین یورپ ابھی اسلام سے باوجود تیرہ صدیان گزر جانے کے بہت پیچھے ہے جو ذلت قدیم اقوام مین غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی۔ اور پھر عیسائی نوآبادیون کی غلامی مین لگی رہی۔ اور جو ذلت آج بھی غریب اور کم حیثیت آدمیونکی کی جاتی ہے اسلام نے اس کو غلامی کے نام سے قطعاً دور کردیا اور نہ صرف لفظون مین ہی بلکہ کلی طور پر اسے جڑ سے کاٹ دیا۔ اسلام کے ظہور سے آقا اور خادم یا مالک اور مملوک کے تعلقات سچے برادرانہ تعلقات سے بدل گئے۔ آقا اپنے غلام کی محنت کے کامون مین ...... شریک ہونے لگا اور غلام اپنے آقا کی وجاہت اور عزت مین شریک ہوگیا۔ یہ صرف انہین آقاؤن کی حالت نہ تھی جو سپاہیون کے درمیان یا نچلے درجہ مین تھے۔ بلکہ معزز سے معزز اور دولتمند سے دولتمند آقاؤن کا بھی یہی حال تھا۔

سب سے پہلے ہمین قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنا چاہیے کہ وہ غلامون کے ساتھ کیسا سلوک چاہتا ہے۔ اس بارے مین مندرجہ ذیل آیت قرآن کریم مین وارد ہوئی ہے

واعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئاً وبالوالدین احساناً وبذی

القربیٰ والیتمٰی والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللّٰہ لا یحب من کان مختالا فخورا (النساء ع ۶ آیۃ ۳۶)

یعنے اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور احسان کرو ماں باپ کے ساتھ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ جو تمہارے قبضے میں ہیں اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترائیں (یعنی دوسروں کے حقوق کی پرواہ کریں) اور بڑائی مارتے پھریں (یعنی دوسروں کو حقیر سمجھیں) اس آیت شریف مین دو قسم کے احکام ایک ہی جگہ اکٹھے کرکے بیان کیئے گئے ہیں یعنی اللہ تعالٰے کی عبادت اور اس کی مخلوق سے نیکی اور اس دوسرے حصے مین بعض وہ لوگ جنکے ساتھ انسان کو نیکی کرنی چاہیے مخصوص کرکے بیان کیئے گئے ہین تا انکی طرف زیادہ توجہ ہو۔ ان دونون احکام کو ایک ہی جگہ بیان کرنے سے یہ مقصود ہے کہ جیسا اللہ تعالٰے کی عبادت کرنا اور اس کا کوئی شریک نہ ٹھہرانا۔ اسلام لانے کے لئے ضروری ہے۔ ویسا ہی مخلوق کے ساتھ نیکی کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ یہی دو شریعت کے بھاری اجزا ہیں یعنی اللہ تعالٰے سے سچا تعلق پیدا کرنا اور اس کی مخلوق سے نیکی کرنا پس جہاں انجیل غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کرنیکے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہتی۔ قرآن کریم اسے ایسا ضروری قرار دیتا ہے۔ جیسا والدین سے نیکی کرنا کیونکہ ایک سے ہی الفاظ مین دونون احکام بیان کئے گئے ہیں۔ یہ اس قدر صاف حکم غلامون سے نیکی کرنے کا ہے جس سے کوئی دشمن اسلام بھی انکار نہیں کرسکتا چنانچہ ہیوز نے اپنی ڈکشنری آف اسلام مین اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ کہ یہ بالکل صاف امر ہے کہ قرآن شریف اور احادیث مین غلامون کے ساتھ نیکی کرنے

کی بڑے زور سے تاکید کی گئی ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ غلام کو قرآن کریم الفاظ **مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** سے ہی عموماً بیان فرماتا ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنوائے ان لوگوں کے جو کفار کے ساتھ لڑائیوں میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے۔ اور کوئی غلام نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ مگر اس حصہ پر ہم بعد میں بحث کرینگے۔ اس آیت کے آخری الفاظ میں اسی حسن سلوک کے حکم کو پھر موکد کیا ہے۔ یہ فرما کر کہ تمہارے تمام افعال کی غرض تو یہ ہونی چاہیے۔ کہ تم اپنے حقیقی آقا کے پیارے بن جاؤ۔ لیکن یاد رکھو کہ تم خدا کے پیارے کبھی نہیں بن سکتے۔ جب تک نہ تم دوسرے لوگوں کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کروگے اور دوسرے لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا نہ چھوڑ دوگے۔

اس کے علاوہ دینی اخوت کا سلسلہ جو اسلام نے قایم کیا وہ بجائے خود ایک زبردست محرک نیک سلوک کا تھا۔ آزاد عورتوں اور غلاموں کے درمیان اور آزاد مردوں اور لونڈیوں کے درمیان نکاح جائز قرار دیئے گئے۔ ایک مشرک آزاد عورت اور مسلمان لونڈی میں نکاح ترجیح غلام کو دیگئی۔ بات بات پر غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا گیا اور اسے بعض گناہوں کا کفارہ قرار دے کر یہ سمجھایا گیا کہ غلاموں کے ساتھ نیکی کرنا اور ان کو آزاد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی محبوب فعل ہے۔ لونڈی اگر نکاح کے بعد فحش کی مرتکب ہو تو اس کی سزا آزاد عورت سے نصف رکھی گئی۔ غلاموں کے نکاح کرنے کا خاص طور پر حکم دیا گیا۔ چنانچہ فرمایا **وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ** اور ہم میں سے جن کے ازواج نہیں ان کے نکاح کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک بخت ہوں ان کے بھی نکاح کرو۔ اگر یہ لوگ محتاج ہونگے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کردیگا۔ قبل از اسلام جو بدیاں عرب میں لونڈی غلاموں کے معاملے میں تھیں ان سب کو دور کیا گیا۔ منجملہ ان کے ایک بد رسم یہ بھی تھی کہ لونڈیوں سے بدکاری کرا کر اس مال سے فایدہ

اٹھائے جس کی خاص طور پر ممانعت قرآن شریف میں کیگئی ہے ۔

یہ ہیں قرآن شریف کے احکام ۔ ان میں سب سے پہلے یہ امر دیکھنا چاہیے کہ ان احکام سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین نے کیا سمجھا اور ان پر کیونکر عمل کیا اس غرض کے لئے احادیث یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ کے عمل کو سب سے پہلے دیکھنا چاہیے احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر دیا ہے اور جو خود اس حسن سلوک کا نمونہ دکھایا ہے ۔ اس سے اگر موازنہ کیا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ کسی دوسرے مصلح نے آپ کے بالمقابل کچھ بھی نہیں کیا ۔ سب سے پہلے میں صحیح بخاری کی احادیث کو بیان کرتا ہوں ۔ اور پھر دوسری متفرق احادیث کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ ان اخوانکم خولکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم ما یغلبھم فان کلفتموھم ما یغلبھم فاعینوھم یعنی تمہارے بھائی ہی تمہارے خدمتگار ہیں ۔ اللہ نے انہیں تمہارے نیچے رکھا ہے ۔ پس جس شخص کا بھائی اس کے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیے کہ جو چیز آپ کھاتا ہے اسی میں سے اسے بھی کھلاوے ۔ اور جو پوشاک آپ پہنتا ہے ۔ اسی میں سے اسے بھی پہناوے ۔ اور ان پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالو جو انکی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر ان کی طاقت سے زیادہ کام ان کو دو تو پھر ان کی مدد بھی دو ۔ بتاؤ کہ کونسا ایسا اور انسانوں کا ہمدرد پیدا ہوا ہے یا کونسا مصلح ہے ۔ جس نے ایسی کامل اخوت آقا اور غلام میں پیدا کی ہو جو صرف الفاظ تک ہی محدود نہیں بلکہ عملی رنگ میں ہے ۔ کہ مالک اور مملوک کا ایک سا ہی لباس اور ایک سی خوراک ہو ۔ یہی نہیں بلکہ غلاموں کی حالت بہت ہی قابل رشک معلوم ہوتی ہے ۔ جب ہم آپ کے یہ پیارے الفاظ پڑھتے ہیں ۔ والذی نفسی بیدہ لولا الجھاد فی سبیل اللہ والحج وبر امی لاحببت ان اموت وانا مملوک قسم ہے اس ذات پاک کی

کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں جہاد اور حج اور ماں کے ساتھ نیکی نہ ہوتی تو میں پیار کرتا کہ غلامی کی حالت میں ہی مروں پھر غلام محض حیوان کی طرح ایک گونگا کارکن نہیں بلکہ وہ اپنے آقا کا سچا مشیر قرار دیا گیا ہے۔

قال اذا نصح العبد سیدہ و احسن عبادۃ ربہ کان لہ اجرہ مرتین۔ یعنی جو غلام اپنے آقا کو نیک صلاح دیتا ہے اور اپنے پروردگار کی عبادت عمدہ کرتا ہے اس کو دوہرا اجر ملتا ہے غلاموں لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک صرف اسی حد تک محدود نہیں رکھا گیا کہ ان سے کام لیا جائے اور ان کے ساتھ نیکی کی جاوے بلکہ ان کی عمدہ پرورش کے لئے بھی جناب رسالتمآب علیہ الصلوۃ والسلام نے خاص طور پر ارشاد فرمایا ہے چنانچہ لونڈیوں کے متعلق یہ ہدایت فرمائی قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ایما رجل کانت لہ جاریۃ ادبہا فاحسن تعلیمہا و اعتقہا و تزوجہا فلہ اجران۔ فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اس کی تادیب کرے یعنی اسے اعلے درجہ کے نیک اخلاق کی تربیت دے اور اس کو نہایت عمدہ تعلیم دے پھر اس کے بعد اس کو آزاد کرے اور اس سے نکاح کرے اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔ اس حدیث کی طرف میں خصوصیت سے اُن کوتہ نظروں کو توجہ دلاتا ہوں جو یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام عورت کو جاہل رکھنا چاہتا ہے وہ غور کریں کہ آزاد عورتیں تو ایک طرف رہیں اسلام تو لونڈیوں کے متعلق بھی یہ حکم دیتا ہے۔ کہ ان کو نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دی جاوے۔ اسی حدیث سے نہایت صفائی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا منشا۔ غلاموں اور لونڈیوں کو کس درجہ تک ترقی دینے کا ہے۔

بہت سی اور حدیثیں ہیں جن میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے بارہ میں تاکید کی گئی ہے۔ ان میں سے مشکوٰۃ کی بعض حدیثوں کا ترجمہ لین صاحب نے اپنے ترجمہ الف لیلہ کے نوٹوں میں دیا ہے۔ اور انہیں کو ہیوز نے اپنی ڈکشنری

آف اسلام میں نقل گیا ہے ان میں سے بعض کا اردو ترجمہ مین یہاں دیتا ہوں
اپنے غلاموں کو اس کھانے میں سے کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ
جو تم خود پہنتے ہو اور ان کو ایسا کام کرنے کو نہ دو جو ان کی طاقت سے بڑھکر ہو جو
شخص اپنے غلام کو بلاوجہ مارتا ہے یا اس کے منہ پر مارتا ہے۔ اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ
اسے آزاد کرے" "جو شخص اپنے غلام سے سختی کرتا ہے۔ وہ جنت میں داخل نہیں
ہوگا" "جو شخص ماں اور بیٹے میں جدائی پیدا کرتا ہے (یعنی لونڈی کو بیچکر) اللہ تعالے
قیامت کے دن اسے اپنے دوستوں سے جدا کریگا"

ان تمام احادیث سے نہایت صاف اور یقینی شہادت اس بات کی ملتی ہے
کہ مذہب اسلام مین غلام کو غلام سمجھا ہی نہیں گیا۔ بلکہ اس کے کام کو الگ چھوڑ کر
جو اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ ہر طرح سے اپنے مالک کے برابر سمجھا گیا ہے تیرہ سو
سال گزرچکے ہیں۔ جب پہلے ایک سچے ہمدرد بنی نوع انسان نے یہ ہدایتیں
جاری کیں۔ اور نہ صرف جاری کیں بلکہ انپر عمل کیا اور کرایا۔ مگر آج باوجود تیرہ سو
سال کے گزر جانے کے اور باوجود بڑے بڑے ہمدردی کے دعووں کے
کسی شخص مین اسقدر اخلاقی جرأت بھی نہیں جو ان ہدایتوں پر عمل کرنا تو ایک طرف
رہا نوکروں کے متعلق ایسی قسم کی ہدایتیں دینے کی جرأت کرے۔ اب میں چند اور
حدیثیں نقل کرتا ہوں۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
نے کسقدر تاکید اکید غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق کی ہے
ایک روایت میں آیا ہے کہ مرض الموت میں آپ کے منہ میں یہ الفاظ تھے اتقوا اللہ
فی الصلوٰۃ وفی ما ملکت ایمانکم جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دو چیزوں کا خاص طور
پر خیال رکھو یعنی قیام نماز اور غلاموں لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک اس
حدیث سے کیسی صفائی سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کے دل میں انسانوں کے

ساتھ اور خصوصاً اس جماعت کے ساتھ جس کو دنیا کی سب قوموں نے ذلیل کیا تھا
اور اب تک ذلیل سمجھ رہی ہیں (یعنی ... غلام اور خادم) کیسا سچی ہمدردی
کا جوش تھا۔ اور کسقدر ان کی بہتری کا فکر آپ کو تھا۔ کہ اخیر وقت میں بھی یہی لفظ
آپ کے منہ سے نکلے۔ آپ کیا چاہتے تھے ایک فقرہ سے پتہ لگتا ہے۔ فرمایا لقد اوصانی
حبیبی جبرائیل بالرفق بالرقیق حتی ظننت ان الناس لا تستعبد ولا تستخدم میرے
دوست جبرائیل نے غلاموں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کے لئے مجھے اسقدر
وصیت کی کہ میں نے گمان کیا کہ آئندہ کوئی غلام ...... نہیں بنایا جانا چاہیے
جو لوگ ان صاف شہادتوں کے ہوتے ہوئے بلا سوچے سمجھے اسلام پر یہ اعتراض
کر دیتے ہیں۔ کہ غلامی شریعت اسلامی کا ایسا ضروری جزو ہے۔ کہ اس کو جدا کرنے
سے شریعت درہم برہم ہو جاتی ہے۔ ان کو کم سے کم یہ حدیث پڑھکر ضرور شرم کرنی
چاہیے کیونکہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غلاموں کے ساتھ نرمی کا
اصل مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کو آزاد کر دیا جاوے اور آئندہ غلام بنانے
سے لوگوں کو روکا جاوے۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ آپ کے پاس آیا اور
آپ سے پوچھا کہ میں کتنی مرتبہ اپنے غلام کو معاف کیا کروں آپ نے منہ پھیر لیا اور
کوئی جواب اس کے سوال کا نہ دیا۔ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ سامنے آیا اور
یہی سوال دہرایا اور آنحضرت نے اسی طرح بغیر جواب دینے کے منہ پھیر لیا۔ چوتھی
مرتبہ جب اس نے یہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ اعف عن عبدک سبعین مرۃ فی کل
یوم اذا اردت نوال الاجر والثواب۔ اگر تو اجر اور ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہر روز
ستر دفعہ اپنے غلام کو معاف کیا کر۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا آج ان اقوام میں جو مہذب
کہلاتی ہیں۔ ایک آدمی بھی ایسا ہے جو اپنے خدمتگار کو باوجود اس کے قصور کے
ستر دفعہ معاف کر سکے مگر اسلام میں غلاموں کے متعلق واقعی ایسا عملدرآمد ہوا۔

آپ کا دل یہ بھی گوارہ نہ کر سکتا تھا کہ غلام کو غلام پکارا جاوے کیونکہ اس نام میں حقارت پائی جاتی تھی اور آپ پسند نہ کرتے تھے کہ کسی قسم کی بھی تحقیر انکی کیجاوے چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمت نے یہ حدیث روایت کی ہے ۔ لا یقل احدکم عبدی امتی ولیقل فتای وفتاتی و غلامی۔ چاہیے کہ تم یہ دکہو کہ اے میرے غلام یا اے میری لونڈی بلکہ یوں کہو کہ اے میرے فتا یا اے میری فتاۃ یا اے میرے غلام یہ لفظ ہر ایک جوانمرد اور جوان عورت پر بولے جاتے ہیں۔ غلام کا لفظ بھی اسی طرح بولا جاتا ہے ۔ عربی میں غلام کا مفہوم عبد سے ادا ہوتا ہے ، عبد اور امتہ کہنے سے اسلیئے روکا کہ یہ الفاظ عموماً لونڈیوں اور غلاموں پر ہی بولے جاتے تھے ۔ اور وہ الفاظ جن کے بولنے کی ہدایت کی ہے وہ عام ہیں ۔ آزاد مردوں اور عورتوں پر بھی بولے جاتے ہیں ۔

اس کے بعد میں یہ بیان کروں گا کہ ان ہدایات پر عمل بھی کیا جاتا تھا یا نہیں اور اگر کیا جاتا تھا تو کس حد تک ۔ مگر قبل اس کے میں عمل کی نظیریں پیش کروں ایک شبہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اگر غلاموں کو اسقدر حقوق دیدیے گئے تھے ۔ اور انکی اسقدر رعایت ضروری تھی جیسا کہ حدیثوں سے پتہ لگتا ہے تو پھر مالک اور مملوک میں فرق ہی کیا تھا ۔ اس کا جواب خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں موجود ہے ۔ اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری میں مذکور ہے ۔ چنانچہ فرمایا ۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامیر الذی علی الناس راع وہو مسئول عنہم والرجل راع علی اہل بیتہ وہو مسئول عنہم والمراۃ راعیتہ علی بیت بعلہا وولدہ وہی مسئولۃ عنہم والعبد راع علی مال سیدہ وہو مسئول عنہ

یعنی تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق سوال کیا جاوے گا ۔ جیسا امیر لوگوں پر حاکم ہے ۔ اور اس سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جائیگا اور آدمی اپنے گھر کے لوگوں پر حاکم ہے ۔ اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جائیگا ۔ اور عورت اپنے

خاوند کے گھر پر اور اس کی اولاد پر حاکم ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جاوے گا۔ اس حدیث کے رو سے ہر ایک شخص کے سپرد جدا جدا کام ہے اور ایک رنگ میں ایک شخص حاکم ہے۔ اور دوسرے رنگ میں وہی محکوم ہے۔ اسلام ایسی مساوات کی تعلیم نہیں دیتا جس سے چھوٹوں بڑوں کا امتیاز ہی اٹھ جاوے اور دنیا کے کاروبار بند ہو جاویں بلکہ ایک ایسی اخوت قایم کرتا ہے۔ کہ کام بھی سب کے الگ الگ رہیں اور سوسائٹی میں بڑے بھی ہوں اور چھوٹے بھی مگر اس کے ساتھ ہی ان میں انسان اور بھر بھائی ہونے کی حیثیت سے ایک مساوات بھی ہو۔ نہ ہی کام مقرر کرنے سے اسلام کی پاک تعلیم کا یہ منشاء ہے۔ کہ آقا غلام کے کام کو ذلیل سمجھکر اسے ہاتھ نہ لگاوے اور آقا کا کام غلام کی عزت سے بڑھکر سمجھا جاوے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ ضرورت کے وقت آقا غلام کے کام میں اسکی مدد کرے اور جو فوائد آقا اٹھاتا ہے غلام کو ان سے محروم نہ رکھا جاوے ہاں آقا کو یہ چاہیے کہ وہ اپنے غلام سے نیکی اور احسان کرے اور غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے آقا کی سچے دل سے فرمانبرداری کرے۔ وہ اپنے اپنے مفوضہ کاموں کو بجا لاویں۔ باقی امور میں وہ مساوی ہیں۔

اب میں چند مثالیں بیان کرتا ہوں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف معلم ہی تھے۔ بلکہ ہر بات میں خود ایک پاک نمونہ بھی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپکی تعلیم کا وہ زبردست اثر آپ کے صحابہ اور مسلمانوں پر ہوا۔ یہ جو آپ نے فرمایا تھا کہ میرے دوست جبرائیل نے یہاں تک غلاموں کے ساتھ مجھے حسن سلوک کی تاکید کی ہے کہ میرا گمان ہوا کہ غلام بنانا ہی نہ چاہیے۔ یہ واقعی آپ کے دل کی سچی خواہش اور تڑپ تھی۔ اور یہی آپ کی غلاموں کے ساتھ نیکی کی تعلیم کا اصل مقصد تھا۔ اور آپ تدریجاً دنیا کو اسطرف مائل کر رہے تھے۔ چنانچہ ان سب باتوں کا

ثبوت آپ کے اپنے عمل سے ملتا ہے کہ آپ نے کبھی غلام نہیں رکھا بلکہ جونہی کبھی کوئی غلام آپ کے ملک میں آیا تو آپ نے اسے فوراً آزاد کر دیا۔ اس سے زیادہ واضح ثبوت آپ کی دلی خواہش کا اور کیا ملسکتا ہے۔ مگر اس مضمون پر یہ بحث کا موقعہ نہیں غلام تو آپ سب آزاد کرتے رہے ہاں آپ کے خادم تھے۔ اور چودہ پندرہ آدمیوں کے نام لئے گئے ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ ان کے آپ کے صحابہ اور متبعین میں سے ہر ایک شخص اسے اپنے لئے باعث فخر و عزت سمجھتا کہ کوئی کام آپ اسے فرمائیں۔ پھر آپ کی پوزیشن دنیاوی لحاظ سے بھی اعلے درجہ کی تھی مدینہ میں آپ گویا ایک چھوٹی سی جمہوری سلطنت کے اعلیٰ افسر تھے۔ اور پھر بعد میں آپ کل عرب کے شہنشاہ ہو گئے۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے آپ خود اپنے کپڑے درست کر لیتے۔ بکریوں کو دودھ لیتے اور اپنی بیویوں کو گھر کے کام کاج میں مدد دیتے تھے۔ جب کھانا کھاتے بیٹھتے تو آپ ایک خادم کی طرح بیٹھتے۔ اور دوسروں کا کام کرنے کے لئے ہمیشہ اٹھنے کو تیار رہتے۔ سوار ہوتے تو کسی اور کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ حضرت انس نے آپ کے خادموں کے ساتھ نیکی کے کئی واقعات بیان کئے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہا اس عرصہ میں کبھی آپ نے مجھ کو اف تک نہیں کہا۔ جب میں نے کوئی کام کیا تو مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا۔ اور اگر کوئی کام نہیں کیا تو یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں نہیں کیا۔ اور آپ کا سلوک تمام دنیا بڑھ کر اچھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی خادم کو یا کسی عورت کو نہیں مارا۔ آپ کے صادق محب اور مخلص بھی آپ کے نقش قدم پر ہی چلتے تھے ایک مختصر کا ذکر ہے کہ آپ نے اسیران جنگ میں سے ایک اسیر ایک صحابی ابو الہیثم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بطور غلام کے دیا اور اسے نصیحت کی کہ اس سے نیک سلوک کرے

ابو الہیثم اس غلام کو لے کر گھر گیا اور اپنی بی بی کو کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ غلام دیا ہے اور ساتھ یہ وصیت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بی بی نے کہا کہ اس نصیحت پر تم پورا عمل کیونکر کر سکتے ہو سوائے اس کے کہ غلام کو آزاد کر دو۔ چنانچہ ابو الہیثم نے وہ غلام اسیوقت آزاد کر دیا ۔

زنباع نے اپنے ایک غلام کو ایک لونڈی کے ساتھ پایا اور اس کا ناک کاٹ ڈالا غلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپ نے پوچھا کہ کسنے تیرا یہ حال کیا ہے غلام نے کہا زنباع نے چنانچہ اسیوقت زنباع کو طلب کیا گیا اس نے جو دیکھا تھا بیان کیا۔ آنحضرت نے غلام کو فرمایا کہ جا تو آزاد ہے۔ پھر غلام نے کہا یا رسول اللہ میں کس کا مولی کہلاؤنگا۔ (یعنی میرا معاون اور مددگار کون ہوگا) آپ نے فرمایا خدا اور اس کے رسول کا مولی۔ چنانچہ اسی وعدے کے مطابق آپ جبتک جیتے رہے اس کی مدد کرتے رہے۔ آپکی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور وہ واقعہ آپ کو یاد دلایا اسپر حضرت ابوبکر رضہ نے اس کے اور اس کے عیال کیلیئے گزارہ مقرر کر دیا۔ حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد وہ حضرت عمر رضہ کے پاس حاضر ہوا آپ نے پوچھا تو کہاں جانا چاہتا ہے۔ عرض کیا مصر میں اسپر حضرت عمر نے حاکم مصر کے نام حکم لکھدیا کہ اس کو اس کے گزارہ کے لیئے زمین دیدو۔ سبحان اللہ۔ کیسا پاک وعدہ تھا اور کیسا پاک ایفاء اس کا ہوا ۔

ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایکدفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا۔ کہ ناگہاں میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی۔ ابو مسعود یاد رکھو کہ جس قدر طاقتور حاکم تم اسپر ہو اس سے زیادہ طاقتور حاکم خدا تمپر ہے۔ ابو مسعود فرماتے ہیں۔ جب میں نے پیچھے پھیر کر دیکھا تو آنحضرت صلعم تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اسی وقت اس کو خدا کے لیئے آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو تم آگ میں پڑتے

حضرت ابو ہریرہ رضہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک آدمی

سوار ہے اور اس کا غلام اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے اپنے پیچھے بٹھالو کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے اور اس کی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے۔

معرور کہتے ہیں میں نے ابو ذر رضؓ کو دیکھا کہ ایک نیا عمدہ لباس پہنا ہوا ہے اور آپ کے غلام نے بھی ویسا ہی نیا اور عمدہ لباس پہنا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا تو فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے ایک آدمی (اس سے مراد آپ کا غلام ہے) کو گالیاں نکالیں۔ اس نے میری شکایت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کی آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے اس کی ماں پر عیب لگایا اور پھر فرمایا کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر تمہارے بھائی ہیں پس جس شخص کا بھائی اس کے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیے کہ اپنے کھانے سے اسے کھلاوے اور اپنے لباس سے کپڑا پہناوے۔ تم اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر دو تو پھر اس کے کرنے میں خود مدد دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ پیارا قول نقل کیا گیا ہے کہ میں شرمندہ ہوتا ہوں جب میں ایسے آدمی کو غلام بنا کر رکھتا ہوں جو کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک غلام کی نافرمانی کی وجہ سے اس کا کان مروڑا۔ اور پھر اپنے فعل سے توبہ کی اور اسی غلام کو کہا تو بھی اسی طرح میرا کان مروڑ۔ مگر اس نے انکار کیا۔ آپ نے اصرار کیا تو اس نے آہستہ آہستہ کان مروڑنا شروع کیا آپ نے کہا زور سے مروڑو کیونکہ میں قیامت کے دن کی سزا برداشت نہیں کر سکتا۔ غلام نے جواب دیا اے میرے آقا جس دن سے تو ڈرتا ہے اسی دن سے میں بھی ڈرتا ہوں۔

حضرت زین العابدین کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ ان کے ایک غلام نے بکری کو پکڑتے ہوئے اس کی ایک ٹانگ توڑ دی انہوں نے کہا کہ تو نے کیوں ایسا کیا آپ کو غصہ دلانے کے لئے آپ نے فرمایا جس نے تجھے یہ تعلیم دی میں اسے غصہ دلاؤں گا یعنی

شیطان کو جا اور تو خدا کے لئے آزاد ہے"

غلاموں یا آزاد کردہ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے۔ اسامہ جو حضرت زید کے بیٹے تھے۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کا افسر بنایا۔ قبل اس کے کہ یہ فوج روانہ ہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو لوگوں نے کہا کہ آپ کسی اور بڑے آدمی کو افسر بنائیں۔ مگر آپ بہت ناراض ہوئے کہ جو کام میرے پیارے محبوب اور آقا نے کیا ہے میں اسے منسوخ کروں جب فوج کی روانگی کا وقت آیا تو آپ اسامہ کے ساتھ ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور دور تک گئے تبھی انہوں نے عرض کی کہ اے خلیفہ رسول اللہ یا آپ بھی سوار ہو جاویں اور یا مجھے اجازت دیں کہ میں بھی پیدل چلوں مگر آپ نے نہ مانا اور کچھ دیر تک نصیحت کرتے ہوئے اسی طرح ساتھ گئے۔ جب حضرت عمرؓ نے مصر کی فتح کا ارادہ کیا تو اول صلح کا پیغام دیکر ایک جماعت حاکم مصر کے پاس بھیجی جس کا سردار عبادہ رضؓ کو قرار دیا جو حبشی تھے۔ اور حبشی اس زمانے میں بطور غلاموں کے فروخت ہوتے تھے۔ جب یہ جماعت حاکم مصر کے سامنے آئی تو اس نے کہا کہ اس حبشی کو باہر نکال دو۔ انہوں نے کہا یہی ہمارا سردار ہے اور جو کچھ یہ کہیگا اور کریگا۔ اس کے ہم پابند ہیں۔ مقوقس حیران ہوا اور پوچھا تم نے ایک حبشی کو اپنا سردار کیونکر بنا لیا انہوں نے کہا سرداری ہمارے درمیان قومیت یا رنگ پر نہیں بلکہ فضیلت پر ہے سو یہ ہم سب میں سے افضل الرائے ہے"

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے عظیم الشان بادشاہ کا جو سلوک اپنے غلاموں سے تھا وہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ غلاموں کی ابتدائی اسلامی سوسائیٹی میں کیا حیثیت تھی اور وہ لوگ کس طرح اپنے پیارے نبی کے لفظوں پر عمل کرتے تھے۔ جب حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور شہر کے لوگ تنگ آگئے تو انہوں نے اس شرط پر شہر حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا کہ خود حضرت عمرؓ آکر شرائط صلح طے کریں۔ ابو عبیدہ نے امیر المومنین کو لکھا

تو آپ فی الفور روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا غلام بھی تھا مگر سواری کے لئے اونٹ
صرف ایک ہی تھا۔ اس لئے خلیفہ اور غلام باری باری اس پر چڑھتے اور جس کی باری نہ
ہوتی وہ پیدل ہمراہ دوڑتا۔ جب آپ ابو عبیدہ کے ڈیرے کے قریب پہنچے تو اتفاقاً غلام
کی باری سواری کی آگئی۔ آپ اتر کھڑے ہوئے اور غلام کو سوار کیا اور آپ پیدل
ہمراہ ہو گئے تھے اور تمام نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ابو عبیدہ نے اس بات
سے ڈر کر کہ امیر المومنین کو اس طرح پیدل بھاگتا ہوا دیکھ کر یروشلم کے اہالی پر برا اثر
ہو اور مبادا جنگ کا رخ پلٹ دے عرض کیا کہ تمام نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں اس
صورت میں یہ مناسب نہیں کہ آپ کا غلام تو سوار ہو اور آپ نوکروں کی طرح ساتھ ساتھ
بھاگیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ اس بات کو سن کر غضب میں آگئے اور فرمایا
کہ تجھ سے پہلے ایسا کسی نے نہیں کہا اور یہ تیری بات مسلمانوں پر لعنت لانیوالی ہے
ہم سب لوگوں سے زیادہ ذلیل اور حقیر اور سب سے تھوڑے تھے۔ خدا نے اسلام
کے ذریعے ہمیں بڑائی اور عزت دی۔ اور اگر ہم ان راہوں سے الگ چلکر عزت تلاش
کرینگے۔ جو راہیں اسلام نے ہمیں سکھائی ہیں تو پھر خدا ہمیں ذلیل کریگا۔ جس سے آپ کا یہ
مطلب تھا کہ اسلام نے تو یہ تعلیم دی ہے کہ تم اپنی عزت اسی میں سمجھو کہ اپنے غلاموں کو
اپنے برابر رکھو۔ اگر ہم اس مساوات میں اپنی ذلت سمجھنے لگینگے تو پھر خدا ہمیں ذلیل کریگا
کیونکہ اس کی بتلائی ہوئی راہ کو ہم چھوڑ بیٹھینگے۔ میں پوچھتا ہوں کہ آیا آج بھی دنیا میں کوئی
ایسا فاتح موجود ہے۔ یا کوئی چھوٹی سے چھوٹی ریاست کا حکمران ایسا موجود ہے یا کوئی
شخص جو کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہو ایسا ہے کہ وہ اخلاقی جرات دکھا سکے جو حضرت
عمر نے دکھائی یا نیک سلوک کا وہ نمونہ دکھا سکے جو ایک بڑے شہنشاہ نے دکھلایا
کیا حضرت عمر اس امر سے ناواقف تھے کہ ایک نئے فتح ہوئے ہوئے ملک پر رعب
کا قائم رکھنا کسقدر ضروری ہے۔ نہیں وہ خوب جانتے تھے۔ بلکہ جیسا وہ ان معاملات

کو سمجھتے تھے ایسا کوئی نہ سمجھتا تھا۔ مگر اسلام کے احکام کی سچی عظمت ان کے دل میں تھی۔ وہ صدق دل سے جانتے تھے کہ ہر ایک عزت اور شوکت انہیں انہی راہوں پر چلنے سے ملے گی۔ اور اگر پچھلے زمانے میں مسلمانوں نے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ اس طریق برتاؤ کو چھوڑ دیا تو یہ وہی بات ہے جو حضرت عمرؓ نے کہی تھی۔ انہوں نے اسلامی راہوں کو چھوڑ کر اور راہوں سے عزت تلاش کی۔ پس وہ عزت کو کھو بیٹھے اب بھی جو مسلمان غیر مسلم اقوام کے نقش قدم پر چلکر دنیا میں معزز بننا چاہتے ہیں۔ اور اسلامی راہوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں انہیں یہی بات یاد رکھنی چاہیئے ؛

مگر باوجود ان غلطیوں کے جن میں مسلمان پڑ گئے ہیں اور مرور زمانہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے دور جا پڑے ہیں یہ امر قابل غور ہے۔ کہ آپکی نیک تعلیم ایسی ان کے خونوں کے اندر رچ گئی ہوئی تھی کہ آپ کی قوت قدسی آپ ہی اثر غالب آئی کہ اب بھی مسلمانوں کا سلوک اپنے نوکروں اور غلاموں سے غیر اقوام کے سلوک کی نسبت بدرجہا بہتر ہے اور یہ شکر کا مقام ہے کہ ہمیں اس کا ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں خود عیسائیوں نے اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ لین الف بیل۔ نے انگریزی ترجمہ کے نوٹوں میں لکھتا ہے اور یہ وہ شخص ہے جو مدتوں مصر میں رہا اور مسلمانوں کے حالات کو غور کی نظر سے دیکھتا رہا وہ کہتا ہے کہ مسلمانوں میں غلاموں کے ساتھ عموماً نیک سلوک کیا جاتا ہے۔ دوسرے ممالک کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ جن سیاحوں نے دوسرے اسلامی ممالک میں سفر کیا ہے ان کی شہادت مسلمانوں کی اپنے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق بہت ہی قابل اطمینان ہے۔ اور پھر لکھتا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث میں جو ہدایتیں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ہیں گویا ان سب پر یا ان کے زیادہ حصہ پر مسلمان لوگ عمل کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام کی تعلیم غلاموں سے حسن سلوک کے متعلق عیسائیوں کے

گال ۔ کے طمانچہ کی تعلیم کیطرح نہیں کہ سر اہتے سہر اہتے ہزار ہا کا غذ سیاہ کریں اور جب عمل دیکھیں تو ایک بھی عامل دنیا میں نظر نہ آئے۔ یہ تو ایک غیر متعصب عیسائی ہے مگر پادری ہیوز کو بھی یہ امر تسلیم کرنا پڑا ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ مسلمان ممالک میں غلاموں کے ساتھ سلوک بہت اچھا ہے۔ بمقابلہ اس سلوک کے جو امریکہ کیا جاتا ہے جہاں غلامی کا رواج عیسائی اقوام کے نیچے رہا" مگر پادری صاحب بیرون کو کیوں ملزم کرتے ہیں جب ان کے مرشد کی تعلیم میں ایک نقط بھی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق نہیں پایا جاتا۔ ایسا ہی انسکلوپیڈیا ببلیکا میں ایک عیسائی مضمون نویس مسلمانوں کے درمیان غلامی کے رواج پر لکھتا ہوا کہتا ہے۔ مشرقی اسلامی ممالک کی غلامی عموماً کھیت میں مزدور کی طرح کام کرنے کی غلامی نہیں بلکہ گھر کے کاروبار کے متعلق ہے۔ غلام کو خاندان کے ایک ممبر کی طرح سمجھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ محبت اور نرمی سے سلوک کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف غلاموں کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے سلوک کرنے کی روح پھونکتا ہے اور غلام آزاد کرنے کی ترغیب دیتا ہے"

اب اس اسلامی تعلیم اور ان واقعات یقینی کو پیش کرنے کے بعد میں اپنے منصف مزاج ناظرین سے یہ سوال کرتا ہوں کہ یہ غلامی جس کے رواج کو ایک حد تک اسلام نے یک لخت ترک نہیں دیا کیا یہ ایسی غلامی ہے کہ اس لفظ کے معمولی مفہوم کے رو سے جو دنیا میں سمجھا جاتا ہے۔ اس کو غلامی کہہ سکیں۔ نہیں بلکہ جہاں تک آجکل کے نوکروں کے ساتھ سلوک دیکھا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں جسقدر لوگ خادم کے نام سے موسوم ہیں وہ ایک اسلامی غلام پر رشک کرینگے اور اس خادمی کیحالت سے اس غلامی کی حالت کو بدرجہا بہتر سمجھینگے۔ غلامی کے عام مفہوم کے رو سے تو یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ایک حد تک اسلام نے غلامی کی اجازت دی کیونکہ ہر ایک بدی جو اس سے پیدا ہوتی تھی اسلام کی تعلیم نے اس بدی کو جڑ سے کاٹ دیا۔ جو اپنے آقا کے برابر ہے۔ اس کو غلام کیوں کہا جائیگا۔ اور

یہ مساوات اور خاندان کے ایک ممبر کیطرح ہونا صرف لفظ ہی لفظ نہ تھے۔ بلکہ عمل سے ہی یہ دونوں باتیں ظاہر ہوتی تھیں۔ جو کھانا آقا کھائے وہی غلام کھائے جو لباس مالک پہنے وہی مملوک پہنے جہاں وہ رہے اسی جگہ غلام بھی رہے۔ طاقت سے زیادہ کام نہ دینا کبھی سختی سے اُسے مخاطب نہ کرنا اور نہ ہی مارنا اس سے بڑھکر کونسی اصلاح کی دنیا خواہشمند ہو سکتی تھی یہ زمانہ لفظ پرست ہے۔ اور بجائے مغز کے چھلکے پر خوش ہو جاتا ہے۔ نام کو تو غلامی موقوف کر دی گئی مگر افسوس ہے کہ غلامی کی حقیقت ابھی تک مہذب ممالک میں اسی طرح موجود ہے عنقریب دنیا دیکھ لیگی کہ جب تک خادموں کے ساتھ وہ رفق اور نیکی کا طریق نہ برتا جائیگا جس کی تعلیم تیرہ سو سال ہوئے ایک انسانوں کے سچے ہمدرد اور خدا کے برگزیدوں میں سے سب سے بڑے برگزیدہ نے دی تھی تب تک غلاموں کی موقوفی لفظی موقوفی ہے اور حقیقتاً اس سے وہ اصلاح نہیں ہوئی جو دنیا کی اخلاقی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی وہ عملی تعلیم ہے جس پر دنیا چل سکتی ہے۔ اور جس پر چلکر انسان انسانوں کے لئے مفید اور خدا کا سچا بندہ بن سکتا ہے ❊

غلاموں کی تدریجی آزادی کے احکام

جیسا کہ بار بار ثابت کیا جا چکا ہے۔ قرآن کریم نے عرب کے تمدنی اور اخلاقی قوانین میں ایک کامل اور بے نظیر تبدیلی پیدا کی۔ قرون کی بدیاں جو گویا جزو بدن ہو چکی ہیں۔ آنحضرت کے طاقتور الفاظ کے سامنے یوں نیست و نابود ہو گئیں جیسے ایک زبردست آندھی کے سامنے چھوٹے چھوٹے تنکے اڑ جاتے ہیں۔ مگر غلامی ایک ایسی چیز تھی۔ کہ جہاں بعض پہلوؤں کے لحاظ سے اسے بُرا کہہ سکتے ہیں بعض وجوہات سے ابتدائی سوسائیٹی میں اس رواج کا موجود ہونا ضروریات میں سے تھا۔ اور یہ میں پہلے حصہ مضمون میں ثابت کر چکا ہوں علاوہ ازیں

پر بھی دکھایا جا چکا ہے کہ اسیران جنگ یا مغلوب دشمن کو غلام بنا لینا خود اس قدیم رواج پر ایک عظیم الشان ترقی تھی جس کے رو سے ایسے لوگ کل کے کل ہلاک کر دیئے جاتے تھے جس کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ ان باتوں کو چھوڑ کر غلاموں کو یکدفعہ ہی آزاد کر دینے میں اور بڑے بڑے مضرات تھے۔ اور ایسی کارروائی میں نہ صرف آقاؤں کو ہی بہت بڑا نقصان تھا بلکہ اس کا اثر خود غلاموں کی حالت پر بھی بہت برا ہوتا۔ اور سوسائیٹی کے تمدن اور اخلاق کا تباہ کرنیوالا ہوتا۔ وہ لوگ جو پشتوں سے غلام چلی آتی تھی ان میں نہ صرف آزادی کی روح ہی نکل چکی تھی۔ بلکہ کام اور محنت میں بھی وہ سست ہو گئے تھے ایسے لوگوں کو خالی ہاتھ کھلا چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ یا تو وہ آوارگی اور گداگری میں زندگیاں بسر کرتے اور یا چوری ڈاکہ اور بدمعاشی کے پیشے اختیار کرتے اور مالکوں کو لاکھوں روپیہ کا الگ نقصان تھا۔ کوئی عقلمند انسان ملکی حالات کے ماتحت غلام کو یکمرتبہ آزاد کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا ہو

بلحاظ وجوہات بالا اور اور وجوہات کے لحاظ سے جو اسوقت پیش آئیں اسلام نے اپنے مدنظر پہلا مقصد یہ رکھا کہ غلاموں کی حالت بہتر کیجاوے فطرت انسانی کی پستی کا خیال ان کے دلوں سے دور کیا جاوے اور سب بڑھکر یہ کہ ان کو کام اور محنت کرنے کے قابل بنایا جاوے۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی ان کو آہستہ آہستہ آزاد بھی کیا جاوے یہی وجہ تھی کہ سب سے پہلے اسلام نے آقا اور غلام کے درمیان ایک کامل اخوت قایم کی تاکہ جو ذلت غلام کیطرف منسوب کیجاتی ہے وہ دور ہو جاوے اور اس ایک ہی دروازہ کے بند کرنے سے بہت سی بدیاں رک جاویں۔ اس اخوت کا عملی طور پر ابتدائی مسلمانوں نے کیا ثبوت دیا صحابہ کی تاریخ کے حوالے سے گذشتہ اشاعت میں دکھایا جا چکا ہے۔ اس بات کی تائید میں کہ واقعی اسلام کا یہ منشاء تھا کہ پہلے غلاموں کی حالت سنوار کر پھر ان کو آزاد کیا جاوے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف دونوں سے ثبوت ملتا ہے

چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے :- والذین یبتغون الکتب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا
وآتوھم من مال اللہ الذی اتٰکم (النور - رکوع ۴ - آیت ۳۳) اور ان لوگوں میں سے جن کے
تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوچکے ہیں یعنی تمہارے غلاموں لونڈیوں میں سے جو اس
بات کے خواہاں ہوں کہ تم ان کو آزادی کی لکھت دیدو ۔ تو تم ان کے ساتھ مکاتبت کرلیا
کرو بشرطیکہ تم ان میں بھلائی دیکھو ۔ نیز یا بعد آزاد کرتے وقت مال خدا میں سے جو اس نے
تم کو دے رکھا ہے ۔ کچھ ان کو بھی دیدیا کرو ۔ اس آیت شریف میں مکاتبت کے لیئے
اللہ تعالے نے دو باتیں ضروری قرار دی ہیں ۔ اول یہ کہ غلام میں کچھ بھلائی نظر آتی ہو یعنی
اس کی آزادی اس کی اپنی اور سوسائیٹی کی بہتری کا موجب ہو ۔ ان الفاظ کی تشریح
میں تفسیر کبیر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے ۔ کہ آپ نے
فرمایا کہ ان علمتم فیھم خیرا سے مراد یہ ہے کہ :- ان علمتم لھم حرفۃ فلا تدعوھم کلا علے الناس یعنی اگر
تمہیں معلوم ہو کہ وہ کوئی ایسا حرفہ جانتے ہیں ۔ جس سے وہ اپنا معاش پیدا کر سکتے ہیں
اور فرمایا کہ تم ان کو ایسی حالت میں مت چھوڑو کہ وہ لوگوں پر یعنی سوسائیٹی پہ بوجھ ہوں مطلب
اس کا یہ ہے کہ غلام لونڈی سے مکاتبت کرنے وقت یہ دیکھ لیا کرو کہ وہ اپنے لیئے روزی
کمانے کے بھی قابل ہے ۔ اگر وہ اس لائق ہی نہیں تو تمہارے اس کو آزاد کرنے کا یہ نتیجہ
ہوگا ۔ کہ بجائے سوسائیٹی کا مفید ممبر ہونے کے وہ سوسائیٹی پہ ایک بوجھ ہوگا ۔ اور اصل
غرض آزادی کی مفقود ہو جاوے گی ۔ دوسری بات جس کو مکاتبت کے ساتھ ضروری قرار
دیا ہے ۔ یہ ہے کہ اس کو مفلس کرکے دنیا میں مت چھوڑو بلکہ کچھ مال بھی اس کو دیدیا کرو تاوہ
کسی کام کے شروع کرنے کے قابل ہو جاوے ۔ ان دونوں باتوں کو مدنظر رکھ کر ہر ایک
عقلمند سے معلوم ہو جاتا ہے ۔ کہ اسلام کی اصل غرض کیا تھی ۔ ایسا ہی صحیح بخاری کی ایک
حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے ۔ جو لونڈی یا غلام آزاد کیا جاوے ۔ ایسا ہونا چاہیئے
جو خوب کام کرتا ہے ۔ اور اپنے آقا کو خوش رکھتا ہے ۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالے عنہ

فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ ای الرقاب افضل
یعنی آزاد کرنے کے لئے کونسا بردہ سب سے افضل ہے۔ فرمایا۔ اغلاہا ثمنا وانفسہا عند اہلہا
یعنی جو سب سے زیادہ گران قیمت ہو اور مالک کے نزدیک سب سے زیادہ قابل قدر ہو۔ ان
الفاظ میں آپ نے غلاموں کو بھی یہ سمجھا دیا کہ ان کے لئے آزادی حاصل کرنے کی راہ یہی
ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو بہت مفید اور قیمتی آدمی بنانے کی کوشش کریں۔ کیونکہ جس
غلام کی مالک کو زیادہ قدر ہوگی۔ وہی سب سے پہلے آزادی کا مستحق بھی ہوگا۔ میں جب
اسلام کی تعلیم کو دیکھتا ہوں تو حیران ہو جاتا ہوں کہ اس کے کل کے کل احکام کس قدر
بابرکت اصول حکمت پر مبنی ہیں۔ غلاموں کی آزادی کا فتویٰ دے دینا الفاظ میں ویسے چنداں
مشکل نہیں مگر اسلام صرف یہی نہ چاہتا تھا۔ بلکہ اس کی اصل غرض غلاموں کی حالت کو سنوارنا
تھا۔ کیونکہ مدتوں کی غلامی سے انکی حالت بہت گر چکی ہوئی تھی۔ سو بتدریج جوں جوں ان کی حالت
سنورتی جائے اور وہ اپنے آپ کو مفید بناتے جاویں ساتھ ساتھ ان کی آزادی کا انتظام
بھی فرما دیا۔ یہی بڑی وجہ تھی کہ اسلام نے یکمرتبہ ہی غلاموں کی آزادی کا حکم نہیں دیدیا بلکہ تدریجی
آزادی کے قاعدہ کو جاری فرمایا۔ ورنہ وہ مذہب جس نے شراب جیسی بدی کو جس کی بیخ کنی
کا آج دنیا میں کوئی علاج نہیں ملتا ایک ہی لفظ میں ایسا بیخ و بن سے کاٹ دیا کہ اس کا
نام و نشان بھی نہ رہا۔ اس کے آگے غلاموں کو یکمرتبہ آزاد کر دینا کیا مشکل تھا۔ اور اب آخر
کار انیسویں صدی میں اگر جب عیسائیوں کو غلامی کے دور کرنے کا خیال پیدا ہوا تو تدریجی
آزادی کے اصول کو ہی اختیار کیا گیا۔ پس یہ کسقدر حماقت ہے کہ اسلام پر یہ اعتراض کیا جاوے
کہ اس نے غلامی کو یک قلم کیوں موقوف نہیں کر دیا۔

قبل اس کے جو میں اسلام کے ان احکام کو بیان کروں جن سے غلاموں کی تدریجی
آزادی ثابت ہوتی ہے۔ میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ قائم کر کے اپنی اصل غرض اور منشاء کو ظاہر کر دیا ہے

اور یہ فخر اور بزرگی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ کہ آپ نے ہر ایک امر پہلے خود عمل کرکے دکھایا تاکہ آپ کے عمل سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا منشا کیا تھا۔ اور اسی لئے مسلمانوں کو اللہ تعالٰے نے خاص طور پر لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ فرماکر یہ سمجھا دیا کہ جو نمونہ تمہارے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قائم کرتے ہیں۔ اسی نمونہ پر تم سب کو چلنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کو حفاظت سے آنے والی نسلوں تک پہونچا دیا۔ اب جب غلاموں کے بارے میں ہم آپ کے نمونہ کو تلاش کرتے ہیں تو صحیح حدیثوں سے اور آپ کی سیرت کی معتبر تاریخوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے غلاموں کو آزاد کردیا کرتے تھے۔ چنانچہ مواہب لدنیہ میں بہت سارے غلاموں اور لونڈیاں کے نام لکھکر جنکو آپ نے آزاد کیا تھا۔ ابن جوزی کی حدیث میں لکھا ہے۔ کہ آپ نے تینتالیس غلام اور گیارہ لونڈیوں کو آزاد کیا۔ بعض مورخوں نے آپ کے آزاد کردہ بردوں کی تعداد کو اس سے بہت زیادہ لکھا ہے۔ مگر ہماری غرض کے لئے صرف اسقدر بات کافی ہے۔ کہ جو غلام آپ کے قبضے میں آتا تھا۔ آپ جلدی اس کو آزاد کردیتے تھے۔ آپ نے اس نمونہ کو ہی دیکھکر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے غلاموں کے آزاد کرنے میں بڑی جرأتیں دکھائیں اور جہانتک اسوقت کی تمدنی حالت برداشت کرسکتی تھی غلاموں کو آزاد کرتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی گہری دلی ہمدردی جو غلاموں کے ساتھ تھی اور جو سچی تڑپ آپ کے دل میں ان کے آزاد کرنے کے لئے تھی اس کا صحابہ پر اسقدر اثر تھا۔ کہ وہ جانتے تھے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی

یہ بہت ہی خوش کرنیوالی بات ہے کہ غلام آزاد کیا جاوے۔ جب حضرت ابوہریرہ رضہ
نے اسلام قبول کیا اور بیعت میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ آپ کا ایک غلام
بھی آیا تھا جو اتفاقاً راستہ میں آپ سے جدا ہوگیا۔ آپ بیعت سے فارغ ہوکر
بیٹھے ہی تھے۔ کہ غلام بھی آموجود ہوا۔ آپ نے اسیوقت فرمایا کہ جا میں نے خدا
کے لئے تجھے آزاد کیا۔ گویا اپنے اس فعل سے اس وقت آپ نے یہ ظاہر کیا کہ کس
طرح آپ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک قول اور فعل کی پیروی کرنے کے
لئے تیار تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام اپنے آقاؤں کی شکایت
تو اس طرح لے کر آتے تھے کہ گویا ان کا دل اس یقین سے بھرا ہوا تھا۔ کہ آپ
ہر حال میں ہمارے حامی ہونگے۔ اور ایسی شکایتوں کا نتیجہ اکثر آقاؤں کے خلاف
ہی ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ اکثر غلام کو آزاد کر دیتے۔ ابومسعود رضہ جیسے جلیل القدر
صحابی نے جب اپنے غلام کو کسی قصور پہ مارا تو اتفاقاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
اُسے دیکھ لیا۔ جب حضرت ابومسعود کو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت نے دیکھ لیا ہے
تو پہلے لفظ جو آپ کے منہ سے نکلے یہ تھے۔ کہ اے رسول خدا میں نے اس
غلام کو خدا کے لئے آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اور اگر تم آزاد نہ کرتے تو آگ
میں ڈالے جاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صحابہ کو کس قدر یقین تھا کہ
آپ انسانوں کے سچے ہمدرد اور غلاموں کے سچے خیرخواہ ہیں۔ آپ ہی کے
نقش قدم پر قرون اولےٰ کے مسلمان چلتے رہے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں
ایسی آپ کی محبت اور عشق کی آگ مشتعل تھی۔ کہ وہ کبھی گوارا نہ کرسکتے تھے
کہ جو فعل رسول خدا کو پیارا تھا وہ اسے نہ کریں۔ چنانچہ پہلے خلفاء کے زمانے
میں بھی غلاموں کی تدریجی آزادی جاری رہی۔ باقی اگر تب ان سب کو آزاد کر دیتا
ہر ایک دانشمند دیکھ سکتا ہے۔ کہ اس میں نہ آقاؤں کی نہ غلاموں کی اور نہ

ہی سوسائیٹی کی بھلائی نہ تھی بلکہ سب کا نقصان تھا۔

اب میں ان احکام کو بیان کرونگا جو قرآن کریم میں اور حدیث نبوی میں غلاموں کی تدریجی آزادی کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ قرآن شریف میں جو حکم غلاموں لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کا مذکور ہوا ہے۔ اس کی اصل غرض اور غایت بھی یہی تھی کہ رفتہ رفتہ غلاموں کو آزاد کر دیا جاوے یہ بات نہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمل سے ہی ثابت ہے کہ آپ ہر ایک غلام کو جو آپ کے قبضہ میں آتا تھا۔ آزاد کر دیتے تھے بلکہ آپ کے اقوال سے بھی یہی بات واضح اور روشن ہے۔ مثلاً آپ کا وہ قول جو گذشتہ اشاعت میں بھی نقل کیا جا چکا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے "حضرت جبرائیل نے غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی یہاں تک مجھ کو تاکید کی کہ میں نے خیال کیا کہ کسی کو غلام ہی نہ بنایا یا رکھا جاوے" ایک بین دلیل ہے اس بات پر کہ سب سے عمدہ سلوک غلاموں کے ساتھ ان کو آزاد کر دینا ہی تھا ایسا ہی وہ حدیث بھی نقل کی جا چکی ہے کہ جب ابوالہیثم رضی اللہ تعالٰے عنہ کو آپ نے ایک غلام دیا اور ساتھ تاکید کی کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا تو انکی بیوی نے کہا کہ اس کے ساتھ حسن سلوک تو ہم یہی کر سکتے ہیں کہ اس کو آزاد کر دیں چنانچہ آزاد کر بھی دیا۔ ان تمام نقول سے وہ مدعا حاصل ہے۔ جس کو ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ

جب ہم قرآن شریف کو پڑھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ غلام کو آزاد کرنا اللہ تعالٰے کے نزدیک بہت ہی پیارا فعل ہے چنانچہ سورۃ البلد میں اللہ تعالٰے فرماتا ہے:۔ الم نجعل له عينين ولسانا وشفتين وهدينه النجدين فلا اقتحم العقبة وما ادرٰك ما العقبة فك رقبة۔ (البلد ۔ ۸ - ۱۱) کیا ہم نے انسان کو دو

آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ اور اس کو نیکی اور بدی کے دونوں رستے بھی دکھا دیئے۔ پھر بھی وہ گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا۔ اور تم کیا سمجھتے ہو کہ وہ دشوار گذار گھاٹی کیا ہے وہ ہے کسی کی گردن کا غلامی یا قرض کے پھندے سے چھڑا دینا"۔ اس آیت شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے غلاموں کے آزاد کرنے کو کس قدر ضروری قرار دیا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کی مشکلات کو سمجھ کر یہ بھی فرما دیا کہ غلاموں کو آزاد کرنا کوئی آسان امر نہیں بلکہ یہ ایک نہایت مشکل امر ہے۔ اور ایک دشوار گذار پہاڑی راہ پر چڑھنے کے برابر ہے۔

البقرۃ آیت ۱۷۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولکن البر من آمن باللہ وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ وفی الرقاب۔ کہ حقیقی بزرگی یہ ہے کہ انسان ایمان لائے اور پھر ساتھ اس کے اپنا مال خالص اللہ کی محبت کے لئے فلاں فلاں موقع پر خرچ کرے جس میں غلاموں کا آزاد کرنا بھی شامل فرمایا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ایسی آیتیں محض نصیحت کے پیرایہ میں نہیں بلکہ ان پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا ایک سچا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے۔ چنانچہ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ اس نے اکسٹھ غلام اسلام لانے کے بعد آزاد کیا۔ اور حضرت ابوبکر نے مکہ میں چالیس ہزار درہم غلاموں کے خرید کر آزاد کرنے میں خرچ کئے۔ ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ غلاموں کا آزاد کرنا اسلام نے مذہبی فرض قرار دیا ہے۔

نہ صرف افراد کو ہی یہ حکم تھا کہ وہ حسب طاقت اور بمقتضائے وقت غلام آزاد کریں۔ بلکہ سلطنت کے روپے کا جو بیت المال میں جمع ہوتا تھا ایک ضروری خرچ غلاموں کا آزاد کرنا بھی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم۔ التوبۃ

رکوع ۸ - آیت ۶۰ یعنی صدقات کا روپیہ فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا
اور ان کارکنوں کا جو اس کے وصول کرنے یا تقسیم کرنے پر مقرر ہیں - اور مؤلفۃ
القلوب کا اور نیز یہ روپیہ غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں کے قرضے ادا
کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے خرچ کیا جاوے - یہ اللہ
کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ہیں - اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے - اس
آیت میں صدقات یعنی زکوۃ کے روپے کے مصارف میں سے ایک ضروری خرچ
غلاموں کے آزاد کرنے کا ٹھہرایا گیا ہے گویا حکومت کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ
بھی ایک حصہ روپے کا غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف کرے - یہ حکم انسانی
نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ÷

علاوہ ان عام احکام کے بعض حالتوں میں صاحب مقدور مسلمانوں
کے لئے غلام کا آزاد کرنا جہاں غلام ملسکے لازمی قرار دیا گیا ہے - اور یہ تمام موقعے
کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہیں - پہلا موقعہ وہ ہے جب ایک مسلمان کسی دوسرے
مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے اسوقت بردہ آزاد کرنے کا حکم ہے (النساء
۹۲) دوسرا وہ موقعہ ہے - جہاں کوئی اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے یعنی اپنی بیوی
کو ماں کہدے اسے جھوٹ اور بیہودہ قرار دیا ہے - اور ظہار کے بعد اگر پھر رجوع
کرے تو اس کا کفارہ غلام کا آزاد کرنا رکھا ہے - (المجادلہ ۳ و ۴) ان دونوں
صورتوں میں غلام کا آزاد کرنا لازمی ہے - لیکن اگر غلام نہ ملے تو پھر اور
صورتیں کفارہ کی بتائی گئی ہیں - تیسرا موقعہ وہ ہے - جب کوئی قسم کھا بیٹھے
اور پھر اس کو پورا نہ کرے اس کا کفارہ یہ فرمایا - کہ یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے
یا کپڑا پہنا دے اور یا بردہ آزاد کرے - حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے
کہ جو شخص روزہ رکھکر اس کو توڑ دے - اس کا کفارہ بھی غلام کا آزاد کرنا ہے ÷

یہ سب ایسے حکم ہیں جن میں غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے۔

احادیث میں بھی غلاموں کے آزاد کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ ایما رجل اعتق امرأ مسلما استنقذ اللہ بکل عضو منہ عضوا منہ من النار یعنی جو شخص ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر ایک عضو کے بدلے آزاد کنندہ کے ہر ایک عضو کو آگ سے بچائیگا۔ اس سے بڑھ کر غلاموں کی آزادی کے لیئے اور کیا ترغیب ہو سکتی ہے۔ ایک اور حدیث کا مضمون یہ ہے عن البراء ابن عازب قال جاء رجل الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال دلنی علی عمل یقربنی من الجنۃ و یبعدنی من النار فقال اعتق النسمۃ و فک الرقبۃ۔ یعنی براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا مجھے وہ عمل بتائیے جو مجھے جنت سے نزدیک کرے اور دوزخ سے دور کرے فرمایا غلام کو آزاد کرنا ہے۔ خاص خاص موقعوں پر بھی غلام کے آزاد کرنے کا حکم تھا۔ چنانچہ بخاری میں ہے۔ عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما قالت امر النبی صلے اللہ علیہ وسلم بالعتاقۃ فی کسوف الشمس۔ اسما بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے موقعہ پر غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

یہ تمام احکام جو قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے دکھائے گئے ہیں صرف ترغیب و تحریص کے رنگ میں ہیں۔ اور اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تاریخ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان احکام کی ایسی پیروی کرتے تھے جیسے فرائض کی۔ مگر اسلام نے غلاموں کے آزاد کرنے کا صرف یہی طریق نہیں رکھا۔ بلکہ ایک اور صورت بھی بتائی ہے۔ جو ان تمام صورتوں سے الگ ہے کیونکہ ان تمام صورتوں میں غلام کا آزاد کرنا صرف آقا کی مرضی پر منحصر ہے لیکن

اسلام نے غلاموں کو آزادی حاصل کرنے کا حق بھی دیا ہے۔ اس پر سورۂ نور کی وہ آیت شاہد ہے جو پہلے بھی ایک موقعہ پر نقل کی جا چکی ہے:۔ والذین یبتغون الکتب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا واتوھم من مال اللہ الذی اتٰکم۔ (النور ۴-۳۳) ترجمہ اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں۔ تم ان کے ساتھ مکاتبت کر لیا کرو۔ بشرطیکہ تم ان میں بہتری کے آثار پاؤ۔ اور مال خدا میں سے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے۔ کچھ ان کو بھی دے دیا کرو۔ مکاتبت یوں ہوتی تھی۔ کہ آقا غلام کو کچھ روپے کی ادائیگی کے وعدے پہ یہ لکھ دیا کرتا تھا۔ کہ جب اسقدر روپیہ ادا ہو جائے تو غلام آزاد سمجھا جاوے گا۔ اور اس اثنا میں غلام بجائے خود کام کر کے روپیہ کماتا اور وہی روپیہ مالک کو آزادی حاصل کرنے کے لئے دیتا۔ اس آیت شریف میں یہ حکم ہے کہ جب تمہارا غلام مکاتبت کا خواہاں ہو تو ضروری ہے کہ تم اس سے مکاتبت کرو۔ شرط صرف یہ ہے۔ کہ وہ کچھ مفید کام کرنے کے قابل ہو اور اس شرط کا ہونا اس لئے ضروری تھا تاکہ غلام آزاد ہو کر سوسائٹی کو بجائے فایدہ کے نقصان پہنچانیوالے نہ بنیں۔ بلکہ صرف وہی آزاد ہوں جو کچھ کمانے کے قابل ہیں۔

یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ جب غلام مکاتبہ چاہے تو آیا آقا پہ واجب کہ وہ مکاتبت لکھ دے یا نہیں۔ اول تو قرآن کریم کے الفاظ سے ہی اس کا وجوب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں یہ حکم ہے کہ جب غلام مکاتبت کا خواہاں ہوں تو مکاتبت کر لیا کرو۔ احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ صحیح بخاری میں باب المکاتب کے نیچے آیت مذکورہ بالا کو لکھنے کے بعد لکھا ہے:۔ وقال

روح عن ابن جریج قلت لعطاء اواجب علی اذا علمت لہ مالا ان اکاتبہ قال ما

اراہ الا واجبا۔ وقال عمرو بن دینار قلت لعطاء تاثرہ عن احد قال لا ثم اخبرنی ان
موسیٰ ابن انس اخبرہ ان سیرین سال انسا المکاتبۃ وکان کثیر المال فابی فانطلق
الی عمرؓ فقال کاتبہ فابی فضربہ بالدرۃ ویتلو عمر فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا فکاتبہ۔ یعنی

ابن جریج سے روایت ہے۔ کہ ابن جریج کہتے ہیں۔ کہ میں نے عطا کو پوچھا کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ غلام مال دے سکتا ہے تو مکاتبہ کرنا مجھ پر واجب ہے انہوں نے جواب دیا کہ میں تو اسے واجب ہی سمجھتا ہوں۔ اور عمرو بن دینار کہتے ہیں میں نے عطا کو کہا کہ آپ کسی دوسرے سے یہ روایت کرتے ہیں۔ کہا نہیں۔ پھر مجھے انہوں نے خبر دی کہ موسیٰ ابن انس نے ان کو خبر دی کہ سیرین نے انس سے مکاتبہ کی خواہش کی اور وہ بہت مال والا تھا۔ انس نے انکار کیا تو سیرین حضرت عمرؓ کے پاس چلے گئے آپ نے انس کو بلا کر کہا کہ مکاتبہ کر لو۔ انہوں نے پھر انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو درہ کے ساتھ مارنا شروع کیا۔ اور آپ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھتے تھے۔ فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا پھر انس نے مکاتبہ لکھ دیا مکاتبہ کا روپیہ عموماً باقساط ادا کیا جاتا تھا۔ اور بظاہر اس میں غلام کی ہی رعایت تھی۔ لیکن اگر اقساط مقرر کرنے کے بعد غلام کافی روپیہ یک ہی وقت میں دے سکنے کے قابل ہو تو آقا مجبور تھا۔ کہ اسے اسی وقت روپیہ لے کر آزاد کر دے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایسا ہی ایک فیصلہ ہوا تھا۔ کہ ایک عورت نے یکمشت مکاتبہ کا روپیہ لینے سے انکار کیا تو آپ نے روپیہ بیت المال میں داخل کر کے غلام کو آزاد کر دیا اور عورت کو کہا کہ تو اب اپنا روپیہ خواہ باقساط لے اور خواہ یکمشت ان سے۔ ان سب واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایسی صورت میں غلام آقا کو آزادی کے لئے مجبور کر سکتا تھا۔

مکاتبہ کی صورت میں سارا روپیہ غلام کو محنت سے ہی ادا کرنا پڑتا تھا لیکن

اکثر اوقات دوسرے لوگ روپیہ دیکر اسکی مدد کرتے اور بعض وقت قومی چندے بھی اس غرض کے اُٹھائے جاتے اور صدقات کے روپیہ میں سے بھی کچھ روپیہ دیدیا جاتا تھا۔ قرآن شریف کے اس حکم میں کہ واٰتوہم من مال اللّٰہ الذی اٰتٰکم صرف غلام کا آقا ہی مخاطب نہیں بلکہ عام طور پر بھی مسلمانوں کو ترغیب دیگئی ہے کہ جب غلام روپیہ دیکر آزادی حاصل کرنی چاہتا ہو تو تم بھی اسے کچھ دیدیا کرو۔ احادیث سے بھی یہ ثبوت ملتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے غلام کے چھوڑنے میں مدد کیا کریں۔ تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر کے نیچے یہ روایت لکھی ہے۔ ان رجلا قال للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علمنی عملا یدخلنی الجنۃ قال لئن کنت اقررت الخطبۃ لقد اعظمت المسئلۃ اعتق النسمۃ وفک الرقبۃ فقال الیسا واحدا قال لا عتق النسمۃ ان تنفرد بعتقھا وفک الرقبۃ ان تعین فی ثمنھا ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا مجھے ایسا عمل سکھایئے جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ فرمایا اگرچہ تیری بات مختصر ہے مگر تیرا سوال بہت بڑا ہے۔ غلام کو آزاد کرادہ گردن کو چھڑا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان دونوں باتوں کا ایک ہی مطلب نہیں۔ فرمایا نہیں۔ غلام کے آزاد کرنے سے یہ مراد ہے۔ کہ تو اکیلا ہی اس کو آزاد کرے اور گردن کے چھڑانے سے یہ مراد ہے کہ تو اسکی قیمت کے ادا کرنے میں مدد کرے گا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں خود نبی اور آپ کے ازواج مطہرات اور صحابہ کرام نے غلاموں کو آزادی حاصل کرنے میں مالی مدد دی چنانچہ سلمان فارسی کے مکاتبہ کی شرائط کو پورا کرنے کے لئے آنحضرت نے خود اپنے ہاتھ سے تین سو درخت کھجور کا لگایا اور روپیہ کی ادائیگی یوں ہوئی کہ اپنے صحابہ کو اس کا چندہ کرنے کے لئے حکم دیا چنانچہ چندہ کرکے وہ رقم ادا کی گئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ کے مکاتبہ کا کل روپیہ ادا کیا اور یہ حدیث صحیح

بخاری میں موجود ہے فک رقبہ پر قرآن شریف نے خود بہت زور دیا ہے اور یوں ہر پیرائے میں مسلمانوں کو غلاموں کے آزادی حاصل کرنے میں مدد دینے کی ترغیب دی ہے کہ خود غلام آزاد کرو۔ چندہ کرکے انکی قیمت ادا کرو۔ اور بالآخر یہ کہ صدقات کے روپے کا ایک حصہ اسی نیک کام میں صرف کرو۔ اگر پچھلے زمانے کے مسلمان ان ہدایتوں پر اسی طرح عمل کرتے جیسے صحابہ کرام نے عمل کرکے دکھایا۔ تو اسلامی ممالک میں سے کبھی کا غلامی کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا۔

بعض اور حالتیں بھی تھیں جن میں غلاموں کا آزاد کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا اگر آقا غلام کو مارے تو اس کا کفارہ اس کا آزاد کرنا قرار دیا گیا۔ جب کبھی مار کی شکایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو آپ نے فی الفور غلام کو آزاد کردیا۔ خلفائے راشدین کا بھی اسی پر عمل رہا۔ چنانچہ امام مالک نے موطا میں یہ روایت لکھی ہے کہ حضرت عمر کے سامنے ایک لونڈی کی شکایت آئی جس کو اس کے آقا نے مارا تھا تو آپ نے اسے فی الفور آزاد کردیا۔ ایسا ہی آزادی کا استحقاق اس صورت میں پیدا ہو جاتا تھا۔ جب لونڈی اور آقا کا تعلق خاوند بیوی کی طرح ہو کر اس سے اولاد پیدا ہو خاوند کی زندگی میں اس سے لونڈی کی طرح سلوک نہ ہوتا تھا۔ اور اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد سمجھی جاتی تھی۔ اگر ایک غلام کئی مالکوں کی مشترکہ ملک ہو اور ان میں سے ایک بقدر اپنے حصہ کے اسے آزاد کردے تو حکم تھا۔ کہ اگر اسے توفیق ہو تو باقی مالکوں کے حصہ کی پوری قیمت ادا کرکے غلام کو بکلی آزاد کردے۔ ایسا ہی اگر آقا وصیت میں لکھ دے کہ فلاں غلام آزاد ہے تو ورثاء اس کو آزاد کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔

علاوہ ان غلاموں کے جو اسلام سے پہلے مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے۔ اور جن کی بہت بڑی تعداد ان احکام کے مطابق آزاد کردی گئی تھی۔

اسیران جنگ تھے۔ جو اسوقت کے قوانین جنگ کے لحاظ سے فاتحین کی غلامی
میں آجاتے تھے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثر انکو بھی آزاد کردیا۔ اسنٹی آدمی
جنہوں نے فتح مکہ کیوقت مقابلہ کیا تھا۔ اور جو گرفتار کرلئے گئے تھے۔ سب کے سب
آزاد کردیئے گئے قوم ہوازن کے چھ ہزار قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے۔ اور کل
کے کل بغیر فدیہ لینے کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آزاد کردیئے۔ اور یہی تعلیم قرآن
شریف کی ہے کہ حتے الوسع اسیران جنگ کو احسان رکھکر یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاوے
جیساکہ سورہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی آیت اما منا بعد واما فداء سے ظاہر ہے یعنی جب
تم دشمن کو قیدی بنالو تو پھر یا انہیں احسان رکھکر چھوڑ دو اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔
قرآن کریم کی بات بات میں خدا سے ہونیکا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں بھی مقدم اسی بات
کو رکھا ہے۔ کہ احسان رکھکر چھوڑ دو ہاں اگر احسان رکھکر چھوڑنا مصلحت وقت ہو
اور اس سے دشمن کو ایسی تقویت پہونچتی ہو۔ کہ اس سے پھر جنگ کا خطرہ ہو تو
سوسائیٹی کے امن کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا اور ہر ایک دانشمند اسے ضروری
سمجھے گا کہ یا تو قیدیوں کا فدیہ لیکر انکو چھوڑا جاوے تا دشمن کو مالی کمزوری پہونچکر
پھر وہ امن میں خلل نہ ڈال سکے۔ اور اگر وہ فدیہ نہ دیں تو ایسی صورت میں گویا
وہ خود غلامی کو اختیار کرنیوالے ٹھہر نگے۔ چنانچہ جب ہوازن کے قیدی مسلمانوں
کے ہاتھ لگے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیساکہ بخاری شریف کی صحیح حدیث
سے ثابت ہے۔ کئی دن تک ان کا انتظار کرتے رہے۔ کہ وہ آکر اپنے قیدی
مانگیں۔ تو چھوڑ دیئے جاویں۔ چنانچہ جب آخر وہ چند دن دیر کرکے آئے اور
اسوقت غلام تقسیم ہوچکے تھے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھکر

مسلمانوں کو یوں خطاب فرمایا۔ اما بعد فان اخوانکم جاؤنا تائبین وانی رایت ان
اردالیھم سبیھم فمن احب منکم ان یطیب ذلک فلیفعل ومن احب ان یکون

لئے خطبہ پڑھتے تعطیبہ بما ھو اھلہ ثم قال امابعد فان اخوانکم ھؤلاء قد جاؤنا تائبین فقال الناس طیبنا ذلک تمہارے بھائی تایب ہوکر تمہارے پاس آئے ہیں کہ پھر جنگ نہ کرینگے اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس کردئے جائیں۔ تم میں سے جو کوئی بخوشی ان کو احسان رکھکر واپس کرنا چاہے۔ تو کردے اور جو چاہے کہ اس کے معاوضہ میں کچھ لے کر چھوڑے تو وہ منتظر رہے۔ جبتک خدا ہم کو کچھ دے جس میں سے ہم اسے دیدیں اسپر سب مسلمانوں نے عرض کیا کہ ہم بخوشی ان کو مفت چھوڑتے ہیں ؛

اس تمام بحث سے ناظرین پہ عیاں ہو چکا ہے کہ دو قسم کے غلام تھے جنکے ساتھ اسلام کو واسطہ پڑا۔ اور ان میں سے ہر ایک قسم کے لئے انکے مناسب حال آزادی کی راہیں بھی الگ الگ تجویز کی گئیں قسم اول میں وہ غلام شامل تھے جو اسلام لانے سے پہلے لوگوں کے قبضہ میں آچکے ہوئے تھے۔ اور جو مدتوں سے پشت در پشت غلامی میں چلے آتے تھے۔ دوسری قسم میں اسیران جنگ تھے۔ جو لڑائیوں میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے۔ اور جو مروجہ قوانین جنگ کے رو سے غلام تھے۔ انکی غلامی صرف اسیوقت سے شروع ہوئی تھی۔ جب وہ قید کر لئے جاتے تھے قسم ثانی کے غلام چونکہ تمدنی رنگ میں آزاد لوگوں کی طرح ہی تھے۔ اس لئے ان کے یکدفعہ ہی آزاد کر دینے سے سوسائٹی کے تمدن پر کوئی بد اثر نہ پڑ سکتا تھا۔ انکی اپنی جائدادیں۔ اپنے گھر اور مکان اپنی تجارتیں اور حرفے سب ایسے ہی موجود تھے۔ جیسے آزاد لوگوں کے اور ان کو آزاد کرنا صرف ان کو اپنی اصلی حالت پر بحال کر دینا تھا۔ ان لوگوں سے اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف اسقدر کہ آزاد ہونے کے بعد وہ پھر ملک کے امن میں فساد نہ ڈالیں۔ پس ان کے لئے قرآن کریم نے یہ تجویز کی کہ اگر ان سے کوئی خطرہ نہ ہو اور وہ اطاعت اختیار کریں تو ان کے قیدی احسان رکھکر چھوڑ دیئے جاویں۔ جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے چھ ہزار قیدیوں سے سلوک کیا کہ جب وہ تایب ہو کر آئے تو آپ نے انکے

کل کے کل قیدی یکدفعہ ہی آزاد کر دیئے۔ لیکن اگر ان سے خطرہ ہو تو پھر دو صورتیں تھیں یا تو وہ فدیہ دیکر آزادی حاصل کریں جیسا کہ دنیا کی کل اقوام میں اب بھی یہی دستور پایا جاتا ہے۔ اور اگر وہ فدیہ نہ دیں تو پھر غلامی میں رہیں مگر

مگر ان غلاموں کو جو مدتوں سے غلامی میں چلے آتے تھے قرآن کریم نے یکدفعہ ہی آزادی دیدینا مناسب نہیں سمجھا۔ ان لوگوں کے نہ کوئی گھر بار تھے نہ جائیدادیں تھیں نہ کوئی تجارتیں تھیں اور نہ ہی عموماً کوئی ہنر ان کو آتا تھا پس ان سب کے یکدفعہ آزاد کرنے میں نہ صرف مالکوں کو ہی ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑتا۔ بلکہ ان کی اپنی حالت بھی اور پستی کی طرف چلی جاتی اور ان کو ذلیل پیشے اختیار کرنے پڑتے اور سوسائٹی کے تمدن پر اس کا بہت برا اثر پڑتا۔ نہ انکے رہنے کے لئے مکان ہوتے اور نہ روزی کمانے کا کوئی عمدہ ذریعہ ان کے ہاتھ میں ہوتا۔ انکی اس گری ہوئی حالت کی اصلاح ان کو فوری آزادی دینے سے نہیں ہو سکتی تھی۔ پس ان کے لئے اسلام نے یہی وجہ تدریجی سے ایسا طریق سوچا جس سے انکی حالت بھی سنورنے لگی۔ اور تدریجی طور پر ان کو آزادی ملنی بھی شروع ہوگئی۔ وہ قلّت جو غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی۔ اور جو سب بدیوں کی جڑ تھی وہ اخوت کو قایم کر کے نابود کر دیگئی۔ اور پھر ان کو تعلیم دینے اور ہنر سکھانے کا اہتمام کیا گیا اور ساتھ ساتھ ان کی آزادی کا انتظام بھی کیا گیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو عجیب نمونہ اپنے کل غلاموں کو آزاد کرنے کا دکھایا اسکا اور بھی غضب اثر ہوا۔ غلاموں کی آزادی کی ضرورت مختلف طریقوں سے سمجھائی گئی۔ اور بہت سی صورتوں میں ان کا آزاد کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ ادھر صدقات کے روپے کا ایک حصہ اس صورت میں لگنا شروع ہوا۔ اُدھر غلام کو

آزاد کرنے کو گناہ کا کفارہ قرار دیکر ہر ایک مسلمان کو یہ سمجھایا گیا۔ کہ غلام کے
آزاد کرنے میں ہی اللہ تعالےٰ کی خوشنودی ہے۔ مگر نہ صرف آزاد کرنے میں بلکہ
اس سے نیکی اور احسان کرنے میں اور ہر طرح سے اس کی مدد کرنے میں اور
ان سب حکموں کے بعد یہ فرمایا گیا کہ جب غلام ہوشیار اور محنتی ہو اور مفید
کام کرنے کے قابل ہو اور وہ آزادی حاصل کرنا چاہے۔ تو مالک پر واجب ہوگا
کہ وہ اسے اس موقعہ سے فایدہ اٹھانے دے۔ اس طرح یہ وہی لوگ غلامی
میں رہ سکتے تھے۔ جو بالکل نکمے اور بیکار تھے۔ غلاموں کی حالت میں یہ اصلاحیں
نہ صرف اس زمانے میں بلکہ اس کے بعد بھی کسی کو نہ سوجھیں۔ کوئی شخص انصاف
اور خدا ترسی سے غور کرے اور دیکھے کہ ایکطرف تو وہ تاریکی جس کے ساتھ دنیا ساتویں
صدی کے شروع میں تاریک ہو رہی تھی۔ اور دوسری طرف یہ اعلےٰ درجہ کے اور
روشن اصول مقام غور ہے کہ یہ باریک اصول اس تاریکی سے تو پیدا نہیں ہو
سکتے تھے۔ اور نہ ہی ایک شخص کے دل میں جو اس جاہل قوم کے درمیان
پیدا ہوا ہو ایسے خیالات خود بخود آ سکتے تھے۔ پس ان پاک خیالات کا سر
چشمہ کونسا تھا۔ اور وہ آفتاب کونسا تھا۔ جس سے یہ نور صداقت چمک اٹھا
صرف اتنی بات کا کہہ دینا کہ غلام کو آزاد کر دیئے جائیں۔ یہ تو ہر ایک کر سکتا ہے
مگر یہ باریک امتیاز اور یہ روشن اصول کہ کن حالتوں میں تدریجی آزادی دی
جاوے۔ اور کن حالتوں میں یکدفعہ آزادی دیدی جاوے۔ بے شک اس پاک
سرچشمہ کی تعلیم تھی جو وحی کا سرچشمہ ہے۔ ورنہ ایسی جہالت اور تاریکی کے
اندر ایسی عجیب اور پر حکمت تعلیم کا دنیا انسان کی طاقت میں نہ تھا۔ افسوس ہے
ان لوگوں پر جو اس کامل انسان پر یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ اس نے غلامی
کو مذہب کا جزو بنا دیا۔ غلامی کو نہیں بلکہ غلاموں کو آزاد کرنے کو اس نے مذہب کا

عزو بنا دیا۔ وہ راستہ جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ اور جس میں مہاجرین اور انصار چلتے رہے۔ وہ ایک صاف اور واضح راستہ ہے۔ پس اس راہ پر نکتہ چینی کرو۔ اور دکھاؤ کہ کس مذہب نے اور کس مذہب کے بانی نے ایسے روشن اصول قایم کئے۔ اور انسانوں کے ساتھ ایسی پاکیزہ ہمدردی دکھائی تھی۔

غلام بنانے کا رواج

اس بحث کے بعد اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام نے غلامی کے رواج کو ہمیشہ کے لئے ایک جزو لازمی قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کا منشاء غلامی کو موقوف کرنے کا پایا جاتا ہے۔ اسلام میں غلاموں کی تدریجی آزادی پر بحث کرتے ہوئے میں نے یہ ثابت کیا تھا کہ تدریجی آزادی کے اصول کو قایم کرنا سوسایٹی کے امن اور اس کی بہتری کے لئے نہایت ضروری امر تھا۔ اس لئے اس حد تک اسلام کو غلامی کے جاری رہنے کی اجازت دینی پڑی جبتک آہستہ آہستہ تمام غلاموں کے آزاد ہوجانے سے بغیر سوسایٹی کے امن میں خلل ہونے کے غلامی تو ہی دنیا سے اُٹھ جاوے۔ یہ بھی میں نے ثابت کیا ہے۔ کہ اگرچہ غلامی کا رواج تو یکدفعہ ہی موقوف نہیں کیا گیا مگر جس قدر مضرات اس رواج سے قدیم سوسایٹی میں پیدا ہوتے تھے۔ ان تمام کو اسلام نے بالکل ہی موقوف کر دیا۔ اس سوال کا مختصر سا جواب ہے جو میں نے شروع میں دیا ہے۔ اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ قرآن شریف یا حدیث شریف میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ اسلام نے غلامی کو ہمیشہ کے لئے مروج کیا۔ صرف اس بات سے کہ غلاموں کا ذکر قرآن شریف میں ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غلامی اسلام کے لئے لازمی ہے یہ کیسی بیہودہ دلیل ہے

کہ چونکہ قرآن شریف غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیتا ہے یا غلاموں سے حسن سلوک کے لئے تاکید فرماتا ہے۔ یا بعض حالتوں میں آزاد مردوں کو اجازت دیتا ہے۔ کہ لونڈیوں کو بیبیاں بنالیں اس لئے اسلام کے اصول کے رو سے یہ ضروری ہے کہ ان احکام کے پورا کرنے کے لئے غلامی کے رواج کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھا جاوے گا

درحقیقت یہ بڑی غلطی ہے یا یہ کہنا چاہئے کہ مذہبی تعصب کی وجہ سے شرارت ہے جو یہ کہا جاوے کہ اسلام نے غلامی کو اپنا ایسا جزو لازمی قرار دیدیا ہے کہ اب وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتی یہ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ اسلام نے غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم تو دیا مگر آیندہ کے لئے غلام بنانے کے رواج کو بند نہیں کیا یہ بڑی غلطی ہے۔ جنگوں کو الگ چھوڑ کر جس کا ذکر میں ابھی کرونگا۔ کوئی مثال ایسی نہیں پائی جاتی کہ جس طرح پرانی قوموں میں زبردستی پکڑ کر یا فروخت کے ذریعہ سے آزاد آدمیوں کو غلام بنایا جاتا تھا۔ اسلام نے بھی ایسا کیا ہو نہ ہی قرآن شریف یا حدیث سے اس طریق کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ نہ کوئی اس قسم کا حکم شریعت اسلامی میں ہے۔ اور نہ ہی اجازت ہے کہ تم آزاد آدمیوں کو زبردستی پکڑ کر یا اور طرح سے فروخت کر کے ان کو غلام بنالیا کرو جس صورت میں غلاموں کے متعلق ان کی آزادی اور نیک سلوک اور ان کے نکاح اور انکی سزاؤں وغیرہ کے سب احکام موجود ہیں۔ تو یہ نتیجہ بالکل صحیح ہے۔ کہ اگر اسلام کے نزدیک فروخت وغیرہ کے ذریعے غلام بنانا جائز ہوتا تو اس کے احکام بھی قرآن شریف میں ہونے چاہیے تھے۔ اور اس قسم کے احکام کے نہ ہونے سے یہ صاف پایا جاتا ہے کہ اسلام کے نزدیک آزاد لوگوں کو غلام بنانا جائز نہ تھا

پھر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر اسلام نے غلام بنانے کی اجازت نہیں

دی تو پھر اس طریق سے روکا بھی نہیں۔ یہ عذر بھی غلط ہے۔ غلام کو آزاد کرنا
یا آزاد کو غلام بنانا دو ایسے فعل ہیں۔ جو ایک دوسرے کے بالمقابل پڑے
ہوئے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص ان میں سے ایک کو اچھا سمجھتا ہے تو ضرور ہے
کہ وہ دوسرے کو برا سمجھے۔ اب ہر ایک طالب حق کو چاہیئے کہ خود قرآن شریف کو
پڑھ کر دیکھ لے کہ ان میں سے کس فعل کو محمود قرار دیکر قرآن شریف نے اسکی ترغیب دی۔
اگر قرآن کریم غلاموں کے آزاد کرنے کو اسقدر نیکی اور ثواب کا کام بیان نہ کرتا بلکہ
معمولی طور پر یہی کہہ دیتا کہ غلاموں کو آزاد کر دینا بھی جائز ہے تو بیشک یہ نتیجہ صحیح نہ
ہوتا کہ اس کی تعلیم کی رو سے آزاد کو غلام بنانا برا فعل ہے مگر غلاموں کے آزاد
کرنے کو اسلام نے ہر ایک مسلمان کا جس کے پاس غلام ہوں مذہبی فرض قرار دیا ہے
اور اس فعل کو اعلے درجہ کی نیکی اور ثواب کا کام قرار دیا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے
کہ آزاد کو غلام بنانا اسلام کے نزدیک ایک مذموم اور گناہ کا فعل ہے۔ اس بات کو اور
صاف کرنے کے لئے میں ان آیات کا حوالہ پیش دونگا۔ جن میں غلاموں کے آزاد کرنے
کا حکم دیا گیا ہے۔ سب سے اول یہ حکم سورۃ البلد میں نازل ہوا ہے جہاں اللہ تعالےٰ
انسان پر اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر کر کے فرماتا ہے۔ فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ
فک رقبۃ او اطعٰم فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ۔ یعنی ہم نے
تو اسقدر نعمتیں انسان کو دے رکھی ہیں۔ مگر پھر بھی وہ ایسا ناشکر گزار ہے کہ
ایک دشوار گزار راہ کو طے نہیں کرتا۔ اور اس دشوار گزار راہ کو طے کرنا کیا ہے۔ ایک غلام
کو آزاد کر لینا بھوک کے وقت یتیم رشتہ دار یا محتاج خاک نشین کو کھانا کھلانا۔ اب اس
بات کو چھوڑ کر کہ جو شخص باوجود مقدرت کے غلام کو آزاد نہیں کرتا یا اس حکم کے بموجب
یتیم یا مسکین کو کھانا نہیں کھلاتا وہ خدا کے نزدیک کیا سمجھا جاویگا۔ اتنی بات
بالکل صاف ہے کہ جو شخص اس حکم کی صریح خلاف ورزی اس طرح کرتا ہے کہ آزاد

کو غلام بنانا ہے۔ یا ایک محتاج اور یتیم کو بجائے کھانا کھلانے کے اس سے چھین کر اس کو بھوکا مارتا ہے۔ وہ خدا کے نزدیک یقیناً بڑا گنہگار ہے۔ ایسا ہی سورۃ بقرہ میں اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ کہ حقیقی نیکی جو انسان کو خدا کی نظر میں برگزیدہ بناتی ہے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالٰے اور یوم آخر پر یقین کامل رکھتا ہو اور اپنا مال اللہ تعالٰے کی محبت سے کے لئے اپنے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنیوالوں اور غلاموں کے آزاد کرنے کے لئے دے۔ اور نمازوں کو قایم رکھے اور زکوٰۃ دے اور جب عہد کرے تو اس عہد کو پورا کرے وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ان میں سے ایک حکم یعنی غلاموں کے آزاد کرنے کے عین الٹ اس طرح پر چلنا جایز ہے کہ آزاد غلام بنایا جاوے تو اس کو یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ باقی سب احکام کے الٹ چلنا بھی قرآن شریف کے نزدیک جایز ہے جنکو اس جگہ حقیقی نیکی کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو مال دینے کی بجائے ان کا مال چھین لیا کرے یا نماز کو قایم کرنے کی بجائے اور زکوٰۃ بھی اس سے روکے یا عہد کرکے عہد کو توڑا کرے وغیرہ وغیرہ یہ کیسی عجیب بات ہے۔ کہ قرآن شریف غلام کے آزاد کرنے کو گناہ کا کفارہ قرار دیتا ہے۔ پس یہ خود ظاہر ہے کہ آزاد کو غلام بنالینا اس کے نزدیک گناہ ہے اور پھر یہ تو حکم دیا گیا ہے کہ صدقات کے روپے کا ایک حصہ غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف ہونا چاہیئے۔ مگر یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ مسلمان گورنمنٹوں کو کچھ روپیہ باقاعدہ غلاموں کو خرید اور تجارت میں لگا رکھنا چاہیئے۔

یہ تو قرآن شریف کے احکام ہیں جب ہم حدیث کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی ویسا ہی زور غلاموں کی آزادی پر دیا گیا ہے۔ کسی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس طرح جاہلیت کے زمانے میں یا دوسری قوموں کے اندر زبردستی پکڑ کر فروخت

کے ذریعے غلام بنائے جایا کرتے تھے اسی طرح اسلام میں بھی کسی آدمی کو غلام بنا لیا گیا ہو۔ بلکہ ایک حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے منشاء کے مطابق ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طریق سے مسلمانوں کو روک دیا تھا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ قال اللہ ثلاثۃ انا خصمہم یوم القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنہ (وفی حدیث عبداللہ ابن عمر ورجل اعتبد محررا) ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ۔ یعنی اللہ تعالے فرماتا ہے تین قسم کے لوگ ہونگے۔ جن کے ساتھ قیامت کے دن میں جھگڑوں گا۔ ایک وہ شخص جو میرے نام پر معاہدہ کرتا ہے۔ اور پھر اسے پورا نہیں کرتا اور ایک وہ شخص جو ایک آزاد کو بیچتا ہے اور اس کی قیمت کھا جاتا ہے۔ (اور عبداللہ بن عمر کی حدیث میں ہے کہ وہ شخص جو آزاد کو غلام بناتا ہے) اور ایک وہ شخص جو ایک مزدور کو اجرت پر لگاتا ہے اور اس سے پوری محنت لے کر اس کی مزدوری اس کو نہیں دیتا۔ اس حدیث سے تائیدی شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ آزاد کو غلام بنانا قرآن شریف نے جائز نہیں رکھا۔ امام بخاری علیہ السلام نے اپنے مذہب کو اس عجیب رنگ میں بیان کیا ہے۔ کہ اپنی کتاب صحیح بخاری میں غلاموں کے متعلق جو باب باندھا ہے۔ اس کا عنوان باب العتق وفضلہ رکھا ہے یعنی غلاموں کے آزاد کرنے اور اس کی فضیلت کا بیان۔ اور کوئی باب ہی غلاموں کے متعلق اس نے نہیں باندھا۔ یہاں تک کہ غلاموں کی خرید و فروخت کا بھی کوئی باب نہیں باندھا۔ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل۔ قرآن شریف اور حدیث کی تعلیم اور بخاری کا مذہب ان سے بڑھکر اور کیا کوئی شہادت ہو سکتی ہے کہ اسلام کا اصلی مذہب اور اس کی سچی تعلیم کیا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ غلاموں کی آزادی کا حکم مکہ میں ہی نازل ہوا اور اسلام کے مختلف پہلوؤں میں سے غلاموں کے آزاد کرنے کا پہلو ایسا

تھا جس کو اسلام نے ابتدا میں ہی اختیار کیا۔ یہ تو امر واقع ہے۔ مگر اسلام کے دشمن کہتے ہیں کہ جو ناجائز خرید و فروخت انسانوں کی بعض اسلامی ممالک میں آج کل ہو رہی ہے۔ اس کے موقوف کرنے کے لئے اسلام کے اصول سے الگ ہونا پڑتا ہے۔ گویا اسلام اسبات کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ غلاموں کو آزاد کیا جاوے ہر ایک شخص جو تحقیق کی نظر سے اس مسئلہ کو دیکھیگا۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ مروجہ خرید فروخت غلاموں کی ایسی ہی اصول اسلام کے خلاف ہے جیسا کہ آج کل مذہب کی آڑ کے نیچے غیر مذہب والوں کا قتل جس کا نام جہاد رکھا جاتا ہے جیسا کہ بعض مسلمانوں میں شر انگیزی کا موجود ہونا اسلام ان سب باتوں سے بیزار ہے ؎

اس قدر بحث سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ جس قدر ذرایع انسانوں کو غلام بنانے کے اسوقت مروج تھے۔ ان سب کو اسلام نے روک دیا۔ اب صرف قیدیان جنگ کے متعلق کچھ کہنا باقی ہے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسلام کے جنگوں کا یہ منشاء ہرگز نہ تھا کہ لوگوں کو غلام بنایا جاوے نہیں بلکہ اسلام کو جنگ ایک مجبوری کی حالت میں اختیار کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ اس کے جنگ صرف دفاعی تھے۔ یا ابتدائی ظلم کے زمانے میں بعض جنگ مذہبی آزادی کو قایم کرنے کے لئے کئے گئے۔ مکہ میں تیرہ سال تک مسلمانوں کو پاؤں کے نیچے روندا گیا اور وہ جگہ بجگہ پناہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر کار مدینہ منورہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ مگر ان کے خونخوار دشمنوں نے ان کو اسجگہ بھی امن سے بیٹھنے نہ دیا۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تند ہو کر اب انہوں نے اسلام کو بالکل نیست و نابود کرنے کے لئے تلوار ہاتھ میں لی۔ ان حالات کے باعث مسلمانوں کے لئے ضروری ہوا کہ اپنی حفاظت کے لئے بالمقابل جنگ کے لئے نکلیں۔ چنانچہ پہلی مٹ بھیڑ طرفین کی مقام بدر پہ ہوئی جو مدینہ سے تین دن کا

سفر ہے۔ جمعیت کا یہ حال تھا کہ ایک مسلمان کے لئے تین کافر موجود تھے۔ اور
اس سے بڑھکر یہ کہ مسلمانوں میں بہت سے نوعمر ناتجربہ کار نوجوان تھے اور قریش
کا لشکر تجربہ آزمودہ اور تجربہ کار جنگی جوانوں کا تھا۔ جو ہر طرح سے ہتھیاروں
سے مسلح تھے۔ اس ظاہر فرق کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو ان دو باتوں سے
چارہ نہ تھا۔ کہ یا تو وہ ان کے ساتھ جنگ کریں۔ اور یا اپنی جانوں کو ان کے
حوالے کر کے قتل ہونا پسند کریں۔ اس مجبوری کی حالت میں یہ پہلا جنگ ہوا اگر
اللہ تعالے نے اپنے وعدہ کے مطابق دشمن کی سب طاقتوں کو پامال کر کے
مسلمانوں کو فتح دی۔ اس میں کوئی ستر کے قریب عمائد قریش مارے گئے۔ اور
قریباً ستر قید میں آئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا۔ جب قیدیان جنگ مسلمانوں کے ہاتھ
لگے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ قیدی معمولی جنگ کے قیدیوں کی طرح نہ تھے جنکا
قصور سوائے اس کے کچھ نہ ہو۔ کہ وہ شریک جنگ ہوئے ہوں۔ نہ صرف اسقدر
ان کا قصور تھا۔ کہ وہ مسلمانوں پر چڑھکر اس لئے آئے تھے کہ ان کو ہلاک کر ڈالیں
اور ان کا نام و نشان مٹا دیں بلکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں پر شدید
ظلم اور بیرحمیاں کی تھیں۔ اور بہتوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا کر ہلاک
کیا تھا۔ دنیا میں کوئی عدالت نہیں جو یہ فتوے نہ دے کہ وہ سب کے سب
قابل قتل تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کا یہی خیال تھا۔ اور انہوں نے
یہی رائے پیش کی تھی۔ کہ یہ سب قابل قتل ہیں اور ان کو قتل کرنا چاہیئے۔ مگر
حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیئے
اور اسی کے مطابق اس موقعہ پر عمل بھی ہوا۔ یعنی سب فدیہ لے کر چھوڑ دیئے
گئے۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نظیر قائم ہوئی۔ اور اگرچہ اس میں شک نہیں
کہ حضرت عمر کی رائے پر عمل کیا جاتا تو بہتر تھا کیونکہ آئندہ بہت سے فساد جو

انہیں لوگوں نے دوبارہ اٹھائے رک جاتے مگر جو عملدر آمد ہوا وہ یہی تھا کہ سب قیدیان جنگ رہا کر دیئے گئے۔ مگر انکے غلام بنانے کے متعلق نہ کسی نے رائے ہی دی اور نہ کوئی ایسی تجویز ہی ہوئی ہو

ابھی تک قرآن کریم کا وہ حکم نازل نہ ہوا تھا جس میں قیدیان جنگ کا بالخصوص ذکر ہے۔ اور جسکو میں پہلے کسی دوسرے موقعہ پر نقل بھی کرچکا ہوں جو ان الفاظ میں ہے۔ کہ فاما منا بعد واما فداء یعنی جب جنگ ہوئے تو جن کو تم نے اسیر کیا ہے ان سے یہ سلوک ہونا چاہئے کہ یا تو ان کو احسان رکھکر چھوڑ دو اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دو اس آیت شریفہ میں اللہ تعالے نے قیدیان جنگ کے متعلق ایک عام حکم دیا ہے جسپر اسلامی دنیا کو ہمیشہ کے لئے کاربند ہونا چاہئے۔ قرآن کریم یہ نہیں فرماتا جیسا کہ اس کے حق کے چھپانیوالے دشمن کہا کرتے ہیں۔ کہ تم سب قیدیان جنگ کو اپنا غلام بنا لو بلکہ اس کی پاک تعلیم یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دو یا احسان رکھکر اور یا فدیہ لیکر میں نہیں سمجھتا کہ اس اعلے درجہ کے قانون کو جو اسوقت کے مروج قانون کے بالکل خلاف ہے۔ کوئی شخص برا کہہ سکے یا اس کے متعلق یہ کہہ سکے کہ یہ اب قابل عمل آمد نہیں وحی الہی نے جو تمدنی قوانین باندھے ہیں وہ ہر زمانے میں اور ہر ملک میں قابل عملدر آمد ہیں اور متعصب سے متعصب دشمن بھی ان پر حملہ نہیں کر سکتا۔ اب معترضین پر لازم ہے کہ وہ اس کے خلاف کوئی اور قانون جس میں بالخصوص قیدیان جنگ کا ذکر ہو۔ قرآن کریم سے نکالکر دکھائیں۔ یہی یکتا قانون اسلام نے سکھایا ہے اور اس سے بہتر کوئی قانون تجویز نہیں ہو سکتا۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ کے بعض حالات کے رو سے اسلام کو کچھ اور قسم کی مشکلات درپیش تھیں جو مقامی اور عارضی تھیں اور اس لئے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکا علاج بھی مقامی اور عارضی ہی کیا۔ قرآن کریم کی

تعلیم یہ تھی کہ قیدیان جنگ کو یا بطور احسان چھوڑ دو اور یا کچھ فدیہ لیکر کیونکہ ہر صورت میں بطور احسان ہی ان کو چھوڑ دینا مصلحت ملکی کا تقاضا نہ تھا۔ مگر اسجگہ مشکل یہ تھی کہ بعض اوقات مفتوح قوم یا مفتوح ملک اپنے قیدیوں کی پروا نہ کرتے فدیہ ادا نہ کرتے۔ یہ اسلام کے لئے ایک بڑی مجبوری تھی۔ کیونکہ اگر کل کے کل کو احسان رکھکر ہی چھوڑا جاتا تو جو مشکلات اسلام کی راہ میں تھیں ان کا کبھی خاتمہ نہ ہوتا یہ ایک عارضی ضرورت پیش آگئی تھی۔ اور اس کا عارضی علاج اسلام نے اسی ملک اور اسی زمانہ کے مطابق حال کیا۔ ایسے قیدیوں کو بجائے گورنمنٹ پر بوجھ ڈالنے کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ جبکا یہ فرض تھا۔ کہ ان کو ایسی حالت میں رکھیں جس حالت میں وہ آپ رہتے تھے۔ یہ تو کوئی مخالف بھی نہیں کہیگا۔ کہ وہ اپنی آزادی کو کھو چکے تھے کیونکہ آج کل بھی اسیران جنگ کی آزادی تو چھین لیجاتی ہے حالانکہ لڑائیاں بھی اس قسم کی مجبوری کی نہیں جیسی اسلام کو پیش آئی تھیں۔ مگر آزادی لینے کے سوا مسلمان ہوران اسیران جنگ کو کوئی تکلیف نہ دیتے تھے۔ ان کو باہر کھیتوں میں مزدوروں کی طرح کام کرنے نہ بھیجا جاتا تھا۔ جس صورت میں کہ ان کے آقا گھر میں آرام کر رہے ہوں۔ اور نہ ہی طاقت سے زیادہ ان سے کام لیا جاتا تھا۔ بلکہ ان رواجوں کو جو قدیم سوسائیٹی میں مروج چلے آتے تھے۔ اسلام نے بکلی موقوف کر دیا تھا۔ ہاں اس میں بھی شک نہیں کہ ان کو بیکار چھوڑ کر نکمے بھی نہیں بنایا جاتا تھا۔ بلکہ کچھ کام بھی ان کو کرنا ہوتا تھا۔ پر وہ دوسرے گھر کے لوگوں کی طرح ہی ہوتے تھے۔ اور بیٹوں کا سا ہی ان سے سلوک بھی ہوتا تھا۔ اور یہ اختیار ان کو ہر وقت حاصل تھا۔ کہ فدیہ دیکر آزادی حاصل کرلیں ؛

ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ اصلاح جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شروع کی وہ تدریجی طور پر ترقی کرنے والی اصلاح تھی اس نے ایک

کرکے تمام یہودیوں کو انسانی سوسائٹی سے دور کیا۔ یہاں تک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس نبوی زندگی کے منقطع ہونے سے پہلے اس اصلاح کی ہر پہلو سے تکمیل ہو گئی۔ چونکہ آپ ہر ایک معاملہ میں اللہ تعالےٰ کی وحی سے ہی کام کرتے تھے۔ اس لئے آپ کسی رسم یا کسی بات کو مٹاتے نہ تھے جب تک وحی الٰہی کے ذریعہ آپ کو حکم نہ پہنچے۔ چنانچہ قرآن شریف اور حدیث کے پڑھنے سے یہ بات صاف روشن ہے۔ اب جیسا کہ میں پہلے دکھا چکا ہوں غلامی کے کل دیگر ذرائع کو تو اسلام نے ابتدا میں ہی روک دیا تھا۔ مگر اسیران جنگ کے متعلق جو حکم خصوصیت سے نازل ہوا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اخیری حصہ میں نازل ہوا۔ یہ حکم سورۃ محمد میں ہے۔ اور یہ سورۃ فتح مکہ کے قریب نازل ہوئی۔ اب اس سے پہلے عام رواج کل قدیم اقوام کے اندر اسیران جنگ کے متعلق یہ تھا۔ کہ وہ کل کے کل ہلاک کر دیئے جاتے تھے۔ یا غلام بنا لئے جاتے تھے۔ پس اگر وحی الٰہی کے نازل ہونے سے پہلے ہمارے نبی کریم اس مسلم رواج پر عمل بھی کرتے تو بعین حق پر ہوتے۔ مگر آپ نے اسوقت بھی عموماً نہ ہی نرمی سے کام لیا۔ اساریٰ بدر کے متعلق میں دکھا چکا ہوں۔ کہ کس طرح سب کے سب فدیہ لے کر آزاد کر دیئے گئے حالانکہ انہی لوگوں نے پھر جنگوں میں مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ دیئے۔ انہیں جنگوں میں سے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کرنی پڑیں صرف دو میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسیران جنگ کو غلام بنایا گیا۔ اور یہ دونوں موقعے وحی الٰہی کے نازل ہونے سے پہلے پیش آئے۔ اور ان میں واسطہ بھی یہود سے پڑا۔ ایک موقعہ پر بنی قریظہ سے مدینہ میں اور دوسرے موقعہ پر خیبر کی جنگ میں باقی تمام لڑائیوں کے متعلق یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی اسیر بنا لئے بھی گئے تو احسان رکھکر یا فدیہ لیکر ان کو چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ کئی مثالیں اس کی پائی جاتی ہیں۔ ایک موقعہ پر چھ ہزار قیدی کو بغیر کسی فدیہ کے لینے کے چھوڑ دیا گیا۔ عربوں نے مسلمانوں پر اسقدر ظلم کئے تھے کہ مسلمانو

حق بہونچتا تھا۔ کہ جب اپنر غالب آ دیں تو ان کو قرار واقعی سزائیں دیں چاہیں قتل کریں اور چاہیں غلام بنائیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے مسلمانوں کو ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ بلکہ جب داؤ لگتا یا بس چلتا تو نہایت بیرحمی سے غیر مسلمانوں کو مار ڈالتے ایک موقعہ پر دھوکہ دیکر ستر صحابیونکو ان ظالموں نے قتل کر ڈالا۔ حالانکہ یہ لوگ ان کو وہ ساتھ لے گئے تھے۔ کہ ہم ان سے دین سیکھنا چاہتے ہیں لیکن جب آخرکار خدا نے محض اپنی تائید اور نصرت سے جو ہمیشہ وہ صادقوں کو عطا کرتا ہے مسلمانوں کو ان ظالموں پر غالب کیا تو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جس کے وہ مستحق تھے۔ نہ ہی رواج کے مطابق ان سب کو پکڑ کر غلام بنایا بلکہ ایک ایسی فراخ حوصلگی اور جوانمردی کے ساتھ جسکی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی جب یہ لوگ قید ہو کر آپ کے پاس آئے تو آپ ان کو فدیہ یا محض احسان رکھکر چھوڑ دیتے تھے

لیکن دو جنگوں میں جو یہودیوں سے ہوئیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سلوک اسیران جنگ سے اور رنگ کا تھا۔ ان میں سے ایک موقعہ تو یہود بنی قریظہ کے ساتھ پیش آیا جنہوں نے دو دفعہ آپ کے ساتھ خطرناک طور پر دغابازی کر کے کل کے کل مسلمانوں کو ہلاک کرنا چاہا۔ ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ جو دغابازی میں شامل تھے انکو قتل کیا گیا۔ اور باقی کو جن میں بچے اور عورتیں تھیں غلام بنایا گیا۔ اگرچہ غلام بنانے کا مفہوم اسلام میں قطعاً وہ نہیں جو دنیا کی دوسری قوموں میں تھا اور ہے۔ مگر یہ تصور بھی یہود کا اپنا تھا اور خود اپنے لئے انہوں نے یہ سزا تجویز کی کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو اپنے متعلق منظور کیا۔ بلکہ کہا کہ جو سعد بن معاذ ہمارے حق میں فیصلہ دیں وہ ہم کو قبول ہوگا۔ چنانچہ انہی کے فیصلہ کے مطابق یہ سلوک بنی قریظہ سے ہوا۔ دوسرا موقعہ پر جب خیبر فتح ہوا۔ اسوقت جو اسیران جنگ ہاتھ لگے تھے۔ ان کو غلام بنایا گیا۔ اگرچہ یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے فدیہ دینا چاہا ہو تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ کیا ہو

بلکہ بعض لفظوں سے یہ شہادت ملتی ہے کہ جن کے فدیہ کا کوئی انتظام ہو سکتا تھا۔ ان کو فدیہ سے کر آزاد کردیا گیا۔ علاوہ فدیہ کے ان اسیروں کی آزادی کی اور بہت سی راہیں بھی کھلی تھیں۔ جن کو میں گذشتہ اشاعت میں بیان کرچکا ہوں۔ اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں موقعوں پر اسیروں کو ویسے طور پر غلام بنایا ہوتا کہ وہ کبھی آزادی حاصل نہ کرسکیں تو ان میں سے کچھ غلام اخیروقت تک آنحضرت کے پاس بھی رہنے چاہیئے تھے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں کے پاس کوئی غلام نہ تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اسیران جنگ کو بھی جو یہودیوں میں سے تھے۔ جلدی بعد میں آزاد کردیا گیا تھا۔

یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہودیوں کے ساتھ آنحضرت نے سختی کی اور اپنی قوم کے ساتھ نرمی کی عرب امی لوگ تھے۔ اور ان کے ہاتھ میں کوئی شریعت نہ تھی جس کی بنا وحی الٰہی پر ہو۔ مگر یہودیوں کے پاس ایسی شریعت تھی۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی اپنی شریعت کے مطابق ان سے سلوک کیا بلکہ اس جگہ بھی نرمی کا پہلو ہی اختیار کیا۔ یہودی شریعت سے مطابق دشمن کو مع ان کے بچوں اور عورتوں کے ہلاک کرڈالنا چاہا۔ (دیکھو استثناء باب ۱۳-۱۲ سے ۱۰ باب ۲۰۔ آیت ۱۶ اور ۱۷۔ گنتی باب ۲۱۔ آیت ۳۔ قاضیوں باب ۱۔ آیت ۱۷۔ باب ۲۱ آیت ۱۰ سے ۱۲۔ یشوع باب ۶ آیت ۲۱ ۔ ۱ سموئیل باب ۱۵۔ آیت ۳) وغیرہ اسی قانون کی ایک نرم صورت یہ تھی۔ کہ مردوں کو مار ڈالا جاوے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جاوے (دیکھو استثناء باب ۲۰۔ آیت ۱۰ سے ۱۴) اب جو کچھ بنی قریظہ کے ساتھ جو سلوک ہوا اس میں الزام کس پر آتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر نہیں کیونکہ آپ نے اس قوم کی شرائط کو منظور کرکے سعد بن معاذ کے فیصلے کے مطابق ان سے سلوک کیا۔ جیسے وہ خود حکم مان چکے تھے۔ نہ ہی سعد بن معاذ پر کوئی

الزام عاید ہو سکتا ہے کیونکہ انہوں نے یہودی شریعت کے نہایت نرم پہلو کے مطابق فیصلہ دیا۔ بلکہ اگر کوئی الزام آ سکتا ہے۔ تو خود یہودی شریعت پر جس میں اس سے بھی زیادہ سخت قانون موجود ہیں۔ ایسا ہی خیبر کے یہودیوں کے ساتھ بھی انکی اپنی شریعت کے نہایت نرم پہلو کے مطابق عمل کیا گیا۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اس معاملہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کیا اعتراض ہے آپ نے تو انکی شریعت کے مطابق ان سے سلوک کیا۔ جسے یہودی اسوقت تک منسوخ سمجھنے کے لئے تیار نہ تھے اور آپکی طبیعت کی نرمی اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے یہودی شریعت کے نرم سے نرم پہلو کو اختیار کیا۔ بلکہ اگر کچھ سختی اس سلوک میں سمجھی بھی جاوے تو اس کا ازالہ خود اسلامی شریعت سے ہو گیا۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال اور تعلیم سے اپنے ساتھیوں پر بھی نیک اثر ڈالا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ تمام غلاموں کو آزاد کرتے جاویں۔ وہ متعصب عیسائی جنہوں نے یہ شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک فعل پر اعتراض کریں اور دنیا کی نظر میں آپ کی باتوں کو قبیح کر کے دکھائیں۔ تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر دیکھیں کہ ان دونوں موقعوں پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ بلکہ اگر کوئی اعتراض ہے تو اس کتاب پر جس کی اشاعت وہ خود دنیا میں کر رہے ہیں۔ یہودیوں پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا وجہ چڑھائی نہیں کی بلکہ خود اپنی دغابازیوں سے انہوں نے اپنے آپ کو مجرم بنایا۔ اور ان جرائم کی سزا ان کو ان کی اپنی شریعت کے مطابق دی گئی ہے

خدا کی شان ہے ان مجرموں کے وکلا سے آج وہ لوگ بن رہے ہیں۔ جنہوں نے خود لاکھوں یہودیوں کو بے گناہ قتل کیا۔ اور ان پر طرح طرح کے مظالم کیئے۔ اور اب تک بھی کر رہے ہیں ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت اسلام کے اصول جو قرآن کریم میں مندرج ہیں عام اور وسیع اصول ہیں جو ہر زمانہ اور ہر ملک کی حالت کے مطابق ہیں لیکن اگر کسی حکم کے وحی الٰہی میں نازل ہونے سے پہلے کوئی کام کیا گیا ہو تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا صریح غلطی ہے کہ یہی اسلام کا قانون ہے۔ ہر ایک امر کے متعلق دیکھنا یہ چاہیے کہ قرآن کریم اسبارے میں کیا حکم دیتا ہے۔ اور اس حکم کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کیا رہا ہے۔ مثلاً اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں میں بعض مثالیں شراب پینے کی پائی جاتی ہیں۔ مگر ان سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اسلام شراب کی اجازت دیتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے اوپر بھی کہا ہے اسلام کی اصلاح تدریجی تھی۔ اور اصل حکم شراب کے متعلق وہ ہے جو قرآن کریم نے اس کی قطعی ممانعت کے بارے میں بیان فرمایا ہے ایسے ہی اسیران جنگ کے متعلق اسلامی شریعت کا حکم جو وحی الٰہی میں بیان فرمایا گیا ہے وہ فاما منا بعد واما فداء ہے۔

اب اس بحث سے ناظرین یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نے عملی طور پر غلامی کے تمام ذرائع کو روک دیا اور پرانے غلاموں کی تدریجی آزادی کے لئے مختلف احکام نازل فرمائے اسیران جنگ کے متعلق حکم تو وہی تھا جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ مگر ایسی مجبوری کی حالت میں جب کہ وہ فدیہ دیں اور نہ ہی ان کو احسان رکھکر چھوڑنا مصلحت وقت ہو اسوقت کے رواج کے مطابق ان سے سلوک کیا جاتا تھا۔ پھر بھی وہ فدیہ دے کر ہر وقت آزادی حاصل کر سکتے تھے۔ اور علاوہ اس کے وہ مختلف راہیں جو اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لئے بتلائی تھیں وہ سب بھی ان کے لئے کھلی تھیں علاوہ ازیں ان کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک بھی نہ ہوتا تھا۔ یعنی وہ اس قسم کے غلام نہ سمجھے جاتے تھے جیسے دوسری اقوام میں یا زمانہ جاہلیت کے عربوں میں۔ پس جس صورت اسلام نے غلامی کی کل راہوں کو روک دیا اور ان کی تدریجی آزادی کے لئے کئی راہیں کھول دیں تو کوئی اعتراض اسلام پر باقی

نہیں رہتا۔ باقی رہے جنگ اور اسیران جنگ سو یہ کام ابتدا اسلام نے شروع نہیں کیا بلکہ خود انہی لوگوں نے اول طرح طرح کے دکھ دیکر آخر تلوار ہاتھ میں لیکر اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہا۔ اس مجبوری کی حالت میں مسلمانوں کو بھی اپنی حفاظت کے لئے تلوار اٹھانی پڑی۔ پس یہ لوگ تو خود آزادی کے حق کو کھو چکے تھے مگر ان کے ساتھ بھی اسلام کا سلوک نہایت محسنانہ تھا۔ اور باوجود اس کے کہ ان لوگوں نے ہر طرح سے اپنے آپ کو قتل اور غلامی کا مستحق بنا دیا تھا پھر بھی شریعت اسلام نے انکی آزادی کا ہی حکم دیا۔ صرف استثنائی صورتوں میں بعض وقت جب ان لوگوں نے فدیہ دینے سے بھی انکار کیا تو پھر مسلمانوں کے لئے مجبوری تھی۔ کہ وہ ان کو غلام بناتے۔

یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کے پاس کثرت سے غلام تھے۔ اس کی تردید تو یہی کافی ہے کہ انکے پیشوا اور رہبر کے پاس ایک غلام بھی نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ قبل از اسلام امرا کے پاس غلاموں کی بڑی بڑی تعداد تھی مگر اسلام لانے کے بعد انہوں نے اپنے پیارے نبی کے نقش قدم پر چلکر کثرت سے غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ غزوہ احزاب کے متعلق ایک حدیث لکھتے ہوئے امام بخاری علیہ السلام نے اتفاقاً یہ ذکر کیا ہے کہ مہاجرین اور انصار کے پاس کوئی غلام نہ تھا جس سے وہ مزدوری کا کام لے سکتے۔ خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الی الخندق فاذا المہاجرون والانصار یحفرون فی غداۃ باردۃ فلم یکن لہم عبید یعملون ذلک لہم۔ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب خندق کی طرف نکلے تو آپ کے صحابہ یعنی مہاجرین اور انصار ٹھنڈی صبح کے وقت خندق کھود رہے تھے اور ان کے پاس غلام نہ تھے جو ان کے لئے یہ کام کرتے۔ میں نے صحابہ کو جس میں صحابہ کے حالات لکھے ہیں۔ اس غرض کے لئے پڑھنا شروع کیا تھا۔

کہ اُن میں کس قدر غلام تھے مگر افسوس ہے کہ کم فرصتی کی وجہ سے اس کام کو پورا نہ کر سکا۔ بہم ۳۲ اصحابہ کے میں نے حالات پڑھے ان میں ایک بھی غلام کا ذکر نہیں ہاں نیرہ ایسے آدمیوں کا ذکر ہے جو پہلے غلام تھے اور پھر آزاد کر دیئے گئے ؎

لونڈیوں کے متعلق احکام

عیسائیوں نے تعدد ازدواج سے بیچ کر اکثر اسلام پر ہمیشہ یہ اعتراض کیا ہے کہ گویا اس مقدس مذہب کے رُو سے لونڈیوں کے نام سے جتنی عورتیں کوئی چاہے گھر میں ڈال سکتا ہے چنانچہ پنسل جو سیورب کے بعد اسلامی اُمور پر رائے دینے کے لئے تعلیم یافتہ عیسائیوں کے اندر بڑا معتبر سمجھا جاتا ہے اپنے اس مضمون میں جو اسلام پر اس نے کرسچین کالج میگزین مدراس میں لکھا ہے کہتا ہے کہ تعداد ازدواج سے بھی سخت تر غلطی جو اسلام نے کی وہ یہ تھی کہ اس مذہب نے یہ اجازت دی کہ لونڈیوں کے نام سے جتنی عورتیں کوئی چاہے گھر میں ڈال لے۔ اس کے جواب میں بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ اسلامی ممالک میں دوسرے ممالک سے زنا بہت کم پایا جاتا ہے۔ مگر لونڈیوں کے متعلق جو کھلی اجازت دیگئی ہے کہ جس سے چاہے وطی کرلے اس میں اور رنڈی بازی میں کچھ بھی فرق نہیں۔ اور جہاں یورپ کے عام مذہب نے رنڈی بازی کو سخت منع کیا ہے۔ مذہب اسلام نے لونڈیوں سے وطی کو جائز رکھا ہے،، قبل اس کے کہ میں اصل اصول اسلام پر بحث کروں میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اس عبارت میں پادری صاحب نے کسقدر جھوٹ سے کام لیا ہے۔ اس تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ جس طور سے اسلام نے لونڈیوں کے ساتھ وطی کو جائز رکھا ہے۔ اس میں اور رنڈی بازی میں کچھ بھی فرق نہیں۔ اور کہ عیسائی ممالک اس قسم کی بدیوں یعنی کسبیوں وغیرہ سے پاک ہیں اور جس طریق پر یہودیوں کے درمیان لونڈیوں سے بیوی کا سا تعلق رکھنا

جائز تھا اُس کو عیسائیت نے منسوخ کر دیا۔ یہ خیری نتیجہ اگرچہ بصراحت الفاظ میں موجود ہو
مگر اسلام پر لونڈیوں کے احکام کے متعلق حملہ کرنے سے معترض اپنے مذہب کو لازماً
اس سے خالی قرار دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص اناجیل کے لفظ لفظ کو پڑھ ڈالے تو وہ
پادری صاحبان کی اس جرأت سے حیران ہوگا۔ کہ جس صورت میں یہودی
شریعت میں یہ رواج چلا آتا تھا۔ اور انجیلوں میں اس کی ممانعت کا اشارہ تک
بھی نہیں تو پھر اس بنا پر اسلام پر اعتراض کرنا کس قدر حماقت کا کام ہے۔ اصل بات
یہ ہے کہ یہودی شریعت کے اندر لونڈی کو بطور بیوی کے رکھنا تعدد ازدواج کی
ایک صورت تھی اور ان دونوں امور میں عیسائی مذہب ہرگز مانع نہیں ہوا۔
بلکہ لوتھر کے زمانے میں یعنی عیسائی مذہب کی پیدائش سے پندرہ سو سال بعد بھی
جب اس کے سامنے تعدد ازدواج کے سوال کو پیش کیا گیا تو اُس نے یہی جواب دیا کہ
انجیلوں سے تعدد ازدواج کی ممانعت معلوم نہیں ہوتی۔ ایسا ہی غلامی کو بھی حضرت
مسیح نے کبھی نہیں روکا۔ بلکہ ایک لفظ بھی اس کے خلاف نہیں کہا۔ اور یہ رواج
بھی اس کے پیروؤں میں ہمیشہ چلا آیا بلکہ اس امر کی بھی کھلی کھلی شہادت ملتی ہے
کہ لونڈیوں کو بطور بیوی کے گھر میں ڈال لینا عیسائیوں میں بھی مروج رہا ہے۔ چنانچہ
انسائیکلوپیڈیا ببلیکا میں لونڈیوں پر مضمون لکھتے ہوئے عیسائی مضمون نویس
لکھتا ہے۔ کہ "پولوس کے خطوط کے بعض فقرات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم
کے تعلقات کی انہوں نے اجازت بھی دی تھی"۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
نہ صرف عیسائیوں میں اس امر کا رواج ہی رہا۔ بلکہ اُن کے مقدس پولوس نے
بھی اس کو جائز قرار دیا اور ایسا کرنے کی اجازت دی۔ اور پھر یہی مضمون نویس لکھتا ہے
کہ ٹولیڈو کی کونسل اوّل کا جو سنہ ۴۰۰ عیسوی میں ہوئی قاعدہ ہفدہم یہ ہے کہ
جو شخص ایک پاکدامن بیوی کی موجودگی میں لونڈی کو گھر ڈال لیتا ہے۔ اس کو خارج

کیا جاویگا۔ لیکن اگر وہ لونڈی بیوی کی طرح اس کی خدمت کرے اور ایک ہی عورت جس کو لونڈی کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس ہو۔ تو پھر اس کو خارج نہیں کیا جاوے گا۔ یہ طریق صرف عوام الناس کے لیئے ہی جائز نہ تھا۔ بلکہ چھوٹے درجہ کے پادری جن کو نکاح کرنے کی اجازت تھی۔ ان کو بھی اسی طرح لونڈی گھر میں ڈال لینے کی اجازت تھی۔ اس کے بعد جو کونسلیں ہوئیں انہوں نے لونڈی کا نام ان بدکار عورتوں پر بھی بولا ہے جو گھر میں نہیں رکھی جاتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ صورت جس کا ذکر اخیر میں اس عبارت میں کیا گیا ہے بالکل کسبیوں کی سی ہے۔ اور شاید پادری سیل صاحب کو اپنے بزرگوں کی اس غلطی سے ہی غلطی لگی ہو۔ کہ انہوں نے اسلامی لونڈیوں کو کسبیاں قرار دیا۔ مگر پادری صاحب مطمئن رہیں کہ اسلام اس قسم کی تمام بدکاریوں پر لعنت بھیجتا ہے اور ان کے لیئے سخت سے سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ ہاں اس بات کا جواب ان کو دینا چاہئے کہ وہ تو عیسائیت میں لونڈیوں کے ہونے سے صاف انکار کرتے ہیں۔ اور یہاں عیسائی کونسلیں (یاد رکھنا چاہئے کہ یہ وہی کونسلیں ہیں جنہوں نے تثلیث وغیرہ کے عقائد باطلہ گھڑ کر رائج کئے) نہ صرف لونڈیوں کے گھر میں ڈالنے کی ہی اجازت دیتی ہیں بلکہ جیسا کہ انسکلوپیڈیا کے اس بیان سے پایا جاتا ہے۔ ان فاحشہ عورتوں سے بھی تعلقات رکھنے کی اجازت دیتی ہیں جو گھر میں نہیں رکھی جاتی تھیں۔ دوسرا امر جس پر پادری صاحب نے بہت زور دیا ہے یہ ہے۔ کہ کم از کم کسبیوں کی عیسائی مذہب نے سخت ممانعت کی ہے۔

جب ہم بائبل کو پڑھتے۔ تو اس میں اس ممانعت کا ذکر صریح الفاظ میں بجائے اناجیل کے جو عیسائی مذہب کی خاص کتابیں ہیں۔ احبار 19/29 اور استثنا 23/17 میں پاتے ہیں۔ اناجیل میں اگر کچھ کسبیوں اور فاحشہ عورتوں کا ذکر ہے تو صرف اتنا ہے کہ

کہ کسبیاں اور فاحشہ عورتیں یہودی علماء سے پہلے خدا کی سلطنت میں داخل ہونگی
کیا پادری صاحب کے نزدیک یہی کسبیوں سے بیفعلی ممانعت ہے؟ کہ ان کو
فقیہوں اور فریسیوں پر ترجیح و بلحاظ بھی دلیر کیا گیا ہے۔ مگر اس بات کو تسلیم کرکے
کہ حضرت مسیح نے اس بدکاری کی ممانعت ضروری کی ہوگی۔ کیونکہ جتنے انبیاء دنیا میں
مبعوث ہوئے ہیں۔ ان سب نے زنا کو سب سے بڑی بدکاری سمجھا ہے اور
اس سے لوگوں کو روکا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب نے کونسی
کوشش اس بیماری کے دنیا سے دور کرنے کے لئے کی اور اس سے بھی
بڑھ کر ضروری سوال یہ ہے کہ عیسائیوں کا اس بارے میں کیسا عملدرآمد رہا۔
ان دونوں سوالوں کا جواب میں وہی نقل کرتا ہوں جو عیسائی صاحبان نے دیا
ہے امر اول کے متعلق انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا میں لکھا ہے "مگر کلیسیا نے
کسبیوں پر کبھی سختی نہیں کی اور توبہ کرنے پر ان کو داخل کر لیا جاتا تھا۔ اور بعض
عیسائی مدبروں نے کسبیوں کے پیشہ کو بدی سمجھ کر صریح الفاظ میں اس کی ضرورت
کو بھی تسلیم کیا ہے۔ (یہ الفاظ قابل غور ہیں) انہی میں سینٹ اگسٹین بھی تھا
جس نے یہ سمجھا تھا کہ اس کے روکنے سے بدکاری کی اس سے زیادہ تباہ کن راہیں
پیدا ہو جائیں گے۔ اس آزادی خیال نے تدریجاً مربیانہ رنگ پکڑنا شروع کر دیا۔ یعنی
اول اول تو کسبیوں سے صرف درگذر کیجاتی تھی پھر اس سے ترقی کر کے وہی لوگ
خود ان کسبیوں کے مربی بن گئے) درمیانی زمانوں سے پہلے ہی کلیسیا کے رواج
اور قواعد اور اس کے عہدیدار اور پادری زناکاری کے لئے ضرب المثل بن گئے (افسوس
ہے کہ پادری صاحبان کفارہ کے فوائد بیان کرتے وقت ان شہادتوں کو بھول
جاتے ہیں) شارلمین نے اس ابتری کی حالت کو روکنا چاہا اور کوشش کی کہ لوگ
اپنی زندگی اوباشانہ اور بدکاری کی تھی۔ اس نے ایسے احکام جن سے

رُو سے کسبیوں اور کٹنیوں کو کوڑے لگائے جانیکا حکم تھا۔ اخلاقی وجود پر مبنی نہ تھے۔ میں اس امر سے بکلی انکار نہیں کرتا کہ عیسائی مذہب کوئی کوشش کسبیوں کی بدکاری کے دور کرنے کی کی ہو مگر جو کوشش کی گئی اس میں بادشاہ شارل مین کی کوشش کیطرح خود کوشش کرنیوالوں کی اپنی اخلاقی حالت ایسی گری ہوئی تھی کہ اس کا کوئی نیک اثر نہ ہو سکتا تھا۔ اور یہ کوششیں بہت کمزور اور کسی اصول حکمت پر مبنی نہ تھیں اور اسی لئے کبھی بھی ان کا نتیجہ نیک نہیں ہوا۔ چنانچہ وہی مصنف جس کے اقوال اوپر نقل کئے گئے ہیں لکھتا ہے باوجود ایسی کوششوں کے اور باوجود کبھی کبھی کسی کسی بادشاہ کی سختی کے کسبیوں کا پیشہ درمیانی زمانہ میں ہر جگہ غلبہ پکڑتا گیا۔ صرف یہی نہ تھا کہ اس کی برداشت کیجاتی ہو یا اس سے اغماض کیا جاتا ہو بلکہ اس کے لئے لائسنس یعنی پروانے دیئے جاتے تھے۔ اور قانون میں اس کے قواعد منضبط کئے گئے تھے۔ لندن میں چکلوں کا ایک بازار تھا۔ جس کا لائسنس سب سے پہلے ونچسٹر کے لاٹ پادری نے دیا تھا۔ اور بعد میں پارلیمنٹ اس کی منظوری دیتی رہی۔ یورپ کے دیگر ممالک میں اس زمانے میں یہی حالت تھی۔ کسبیوں کی حفاظت کیجاتی تھی۔ اور اس پیشہ کے لئے قواعد قانوناً تجویز کئے جاتے تھے۔ اور بہت سی حالتوں میں ملکی آمدنی کا یہ ایک ذریعہ تھا۔"

یہ تو عیسائی ممالک کی حالت گذشتہ زمانہ میں تھی۔ اس زمانہ میں بھی یہ پیشہ رُو بہ تنزل نہیں بلکہ دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ فرانس میں خود داری قانون کسبیوں پر گرفت نہیں کرتا۔ جرمنی میں کسبی کا پیشہ کرنیکی ممانعت نہیں لیکن جو عورت بغیر نام رجسٹر کرانے کے ایسا پیشہ اختیار کرے وہ گرفتار ہو سکتی ہے۔ اسٹریا کے قانون کے رو سے اس پیشہ کی ممانعت ہے مگر پولیس کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ بعض شرائط کے

نیچے اس کی اجازت دیا کریں۔ انگریزی قانون اس پیشہ کو مضر عام سمجھتا ہے مگر قانون کی کوئی پروا نہیں کی جاتی اور نہ ہی کوئی بازپرس ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی مضمون میں جس کا حوالہ انسائیکلوپیڈیا سے اوپر دیا گیا ہے۔ لکھا ہے۔ "انگریزی قانوں کے نیچے عام بازار صاف رکھے نہ جا سکتے ہیں۔ اور بعض وقت قصبات میں سرگرم پولیس کی کوشش سے ایسا ہوتا بھی ہے۔ مگر لندن میں کسبیوں کی تعداد اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ پولیس اپنی ساری طاقت کو خرچ کر کے بھی ان کا مقابلہ کرنے کے بالکل ناقابل ہے۔ بڑے بڑے بازاروں اور عام مجمعوں کی جگہوں میں عین دن کے وقت کسبیوں کی بڑی بڑی تعداد موجود رہتی ہے اور رات کے وقت تو گویا راستے ان سے بند ہی ہو جاتے ہیں"۔ نہ ہی دوسرے بلاد یورپ میں قانوں کی کچھ پروا کی جاتی ہے۔ فرق اسقدر ہے کہ یہاں کھلم کھلا کسبیاں پھرتی ہیں۔ وہاں بظاہر بدکاری ہوتی نظر نہیں آتی مگر خفیہ کی تعداد بہت ہی زیادہ بڑھی ہوئی ہے "ہر جگہ پولیس اس امر کی شاکی ہے کہ پوشیدہ طور پر کسبیوں کا پیشہ اسقدر ترقی پکڑ گیا ہے۔ جس کو وہ کسی طرح ضبط کے نیچے نہیں لا سکتے اور دن بدن جیسے جیسے یہ خفیہ بدکاری بڑھتی جاتی ہے اس قدر ان کسبیوں کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔ جن کے نام سرکاری رجسٹروں میں موجود ہیں"۔ اس کثرت بدکاری کو دیکھ کر تمام مدبر حیران بلکہ مایوس ہو رہے ہیں۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا میں اخیر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ "کوئی ایسے واقعات موجود نہیں جنکی بنا پر مغربی ممالک کی بدکاری کا مقابلہ دوسرے ممالک سے یا پہلے زمانوں سے ہو سکے لیکن وہ ناقابل ذکر واقعات جو ہمیشہ پولیس کے علم میں آتے رہتے ہیں۔ اس بات کو ایسا یقینی طور پر ثابت کرتے ہیں جس میں شک کی کچھ بھی گنجائش نہیں کہ موجودہ تہذیب کے بڑے بڑے مرکز اپنی بدکاری میں ان مشہور بدکاری کے

ہرگز جلی ہوئی کارتھیج یا بابل یا قدیم مصر یا موجودہ چین سے کسی طرح کم نہیں۔ وہ چھپائی بدکاری کے نقشے جو کھنڈرات سے نکلتے ہیں۔ اور عجائب گھروں میں رکھے جاتے ہیں ان سے کئی درجہ بڑھ کر وہ بدکاری کی تصویریں ہیں۔ جو آج پیرس یا ایمسٹرڈم میں کھینچی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بدکاری کی خطرناک ترقی صرف عارضی ہو مگر یہ وہی صورت ہے جس نے پہلے بھی بڑی بڑی قوموں کو تباہ کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ کسبیوں کا پیشہ دن بدن خطرناک ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس ترقی کا اثر ابھی سے اعلیٰ درجہ کی تہذیب یافتہ مغربی اقوام پر پڑنا شروع ہو گیا ہے کیونکہ نکاحوں اور پیدائشوں کی تعداد دن بدن گھٹ رہی ہے۔"

یورپ میں سیہ کاری کی یہ خطرناک تصویر عیسائیت کی ناجائز تعریف کا جواب ہی نہیں بلکہ پادری سیل نے جو بہتان آمیز حملہ اسلام پر کیا ہے۔ اس کا بھی جواب ہے پادری صاحب یا تو عیسائیت کی تعلیم پر حصر کریں۔ اور یا عیسائی صاحبان کے عمل پر مگر نہ کریں کہ جہاں مطلب کی بات ہوئی وہی پہلو اختیار کر لیا۔ تعدد ازدواج اور لونڈیوں کے متعلق تو آپ جھٹ سے عیسائی اقوام کا عمل دکھا دیتے ہیں اور رنڈی بازی اور زناکاری کے متعلق عیسائیت کی تعلیم پیش کر دیتے ہیں یہ انصاف اور ایمانداری نہیں۔ ایک پہلو جو چاہیں اختیار کر لیں۔ اگر وہ کسبیوں اور زناکاری کے ذکر کے وقت عیسائیوں کے عمل سے بیزاری ظاہر کر کے عیسائیت کی اصل تعلیم کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ تو تعدد ازدواج اور لونڈیوں کے احکام کے ذکر کے وقت بھی اپنی بحث کا انحصار مذہب عیسوی کی تعلیم پر ہی رکھیں۔ جس کے رُو سے انہیں ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح کے منہ سے جو وہی اصل عیسائی تعلیم ہے۔ ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلا جس میں تعدد ازدواج کی ممانعت ہو یا بیویوں کے اس رواج کا انکار ہو جو لونڈیوں کے متعلق ان کے درمیان پشتوں سے چلا آتا تھا۔ پادری

صاحب ایمان سے بتادیں کہ کیا یہ چالبازی نہیں کہ جدھر سے مطلب نکلتا دیکھا ادھر کا پہلو ہی بدل لیا؟ اب اصل بات یہ ہے کہ بدکاری اور رنڈی بازی کی ترقی تعدد ازدواج کی ممانعت سے ہی شروع ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر یہ سچی بات ہے۔ کہ ابتدائی عیسائی سوسائٹی میں کسبیاں نہ ہوتی تھیں ؟ تو اس سے بھی بڑھکر یہ امر حق ہے کہ اس ابتدائی سوسائٹی میں تعدد ازدواج کی بھی ممانعت نہ تھی۔ بلکہ اس پر عمل بھی ہوتا تھا۔ پھر یوں جوں تعدد ازدواج کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ ویسے ہی بدکاری ترقی کرنے لگی۔ عیسائی صاحبان عموماً یہ بھی کہدیا کرتے ہیں کہ کسبیوں کی پیدا ہونے اور ترقی کی وجہ افلاس ہے۔ مگر یہ بات بالکل غلط ہے کیا سب سے بڑھکر افلاس یورپین اقوام کے اندر ہی آگیا؟ جو ان میں کسبیوں کی خطرناک ترقی ہوگئی۔ اور پھر کیا دن بدن افلاس بڑھ رہا ہے جسے بدی ترقی کررہی ہے؟

یہ بات ہرگز نہیں۔ چنانچہ انسکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ بڑی بڑی اقوام کے اندر کسبیوں کا وجود الزمانی سوسائٹی سے غیر منفک ہے۔ موجودہ تہذیب کے تمدنی اور انتظامی ذرایع میں سے کوئی بھی ایسا ذریعہ ثابت نہیں ہوا۔ جو اس کو روک سکے کیونکہ وہ اصلی قوانین جنکی وجہ سے یہ بدکاری پھیل رہی ہے ان انسانی تجویز کردہ قواعد سے جو اخلاقی تعلیم یا فرضی معیار (یعنی پاکیزگی کے معیار) یا مجالس واضع قوانین تجویز کرتی ہیں بہت زیادہ زبردست ہیں۔ اور جب کبھی اس بدکاری کے روکنے کی کوشش کیجاتی ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اور راہ سے پھوٹ نکلتی ہے اصل نتیجہ میں کوئی فرق نہیں آتا صرف وہ واقعات ایک وقت کے لئے کوئی اور پہلو اختیار کرلیتے ہیں۔ غرضیکہ باوجود سب قسم کے علاجوں کے یہ بیماری دور نہیں ہوئی اور اگرچہ اسکا وجود قومی قوت کے ساتھ بھی رہ سکتا ہے مگر اسکا حد سے زیادہ بڑھ جانا اس بات کی علامت ہے کہ تہذیب کو اندر سے کیڑا لگا ہوا ہے

اور وہ تنزل کی حالت میں ہے یا یہ بات کہ ہر ایک قوم کے درمیان کسبیوں کے وجود کا ہونا ضروری ہے بغیر استثناء کے صحیح نہیں۔ اور میں وہ واقعات دکھا سکتا ہوں جنکی بناء پر میں یہ کہتا ہوں۔ بلکہ اگر عام نظر سے بھی اس دعوے کو دیکھا جائے کہ یہ ایسی بیماری ہے۔ جس کا کوئی علاج ہی نہیں تو اس کا باطل ہونا اظہر من الشمس ہے۔ ایسا اعتقاد رکھکر کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بیماری کا کوئی علاج ہی پیدا نہیں کیا ہم اسکی طاقت اور قدرت اور احسانوں کا انکار کرنیوالے ہوں گے کیا ہی پاک لفظ ہیں جو اُس پاک انسان کے منہ سے نکلے جس نے اللہ تعالیٰ کے حُسن و احسان کو سب سے بڑھ کر دیکھ لیا تھا ما من داء الا ولہ دواء یعنی کوئی ایسی بیماری نہیں جسکی دوا اللہ تعالے نے پیدا نہ کی ہو بیماریوں میں نہ صرف جسمانی بیماریاں ہی شامل ہیں بلکہ یہ لفظ اخلاقی اور روحانی امراض پر بھی حاوی ہے۔ اور یہ صرف لفظ ہی لفظ نہ تھے بلکہ آپ نے اپنے اس دعوے کی سچائی کو ثابت کر کے دکھا دیا اس طرح پر کہ وہ بدکاریاں اور روحانی اور اخلاقی بیماریاں جو عربونکا گویا جزو خون بن چکی تھیں کیونکہ پشتوں سے وہ انکے عادی چلے آتے تھے ان تمام کو آپنے جڑ سے اکھاڑ کر جزیرہ نما عرب کو بالکل اُنسے پاک کر دیا۔ ایک قمار باز کو قمار بازی سے روکنا یا ایک شراب خور کو شراب سے باز رکھنا یا ایک زانی کو زنا سے چھڑا دینا کسقدر مشکل کام ہے۔ مگر اس انسان کامل کی توجہ نے شراب خوری زنا کاری اور قمار بازی جیسی بدیوں کو نیست و نابود کر کے دکھا دیا اور نہ صرف اپنے صحابہ میں سے ہی اُنکو دور کیا بلکہ ایک دراز زمانہ تک مسلمان سوسائٹی کو اُنسے پاک کر دیا پس اسلامی سوسائٹی وہ سوسائٹی ہے جو ایک دراز عرصہ تک کسبیوں کی موجودگی سے بالکل پاک رہی حالانکہ یہ ایک بڑی بھاری قوم اور اس

زمانے میں اعلیٰ درجہ کی تہذیب یافتہ قوم تھی۔ اور اسلامی علاج ہی وہ علاج ہے جو اس بدی کو دور کر سکتا ہے جسکے دور کرنے میں تمام انسانی کوششیں ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ کاش کہ عیسائی صاحبان میں سے کوئی ایسے وسیع خیال کے انسان بھی ہوں جو تعصب مذہبی کے تنگ دائرہ سے نکل کر ان امور پر غور کریں کہ آیا یہ حق ہے یا نہیں ؟

لونڈیوں سے نکاح جسکو عموماً لونڈیوں کو گھر میں ڈال لینے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے نکاح کی ایک صورت تھی جو اُس وقت کی سوسائٹی میں بلحاظ غلامی کے رواج کے بعض اوقات ضروری ہوتا تھا۔ جیساکہ پہلے حصص مضمون غلامی میں دکھایا جا چکا ہے اسلام کا منشا تدریجی طور پر غلاموں کے آزاد کرنیکا تھا۔ اور اسکی تعلیم کا میلان آخر کار غلامی کے قطعاً دور کرنیکا تھا مسلمان سوسائٹی کے بعد کے حالات نے اس میلان کو ترقی نہ کرنے دی تو یہ اعتراض اصول اسلام پر نہیں۔ ایک امر بیشک صاف ہے کہ چونکہ اس زمانے میں شریعت اسلام کے رُو سے غلام لونڈیاں بنائے نہیں جا سکتے۔ اور خرید و فروخت کے ذریعہ یا زبردستی پکڑ کر غلام بنا لینے کے رواج کی شریعت اسلامی مانع ہے۔ اس لئے موجودہ رسم لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کی بھی شریعت کے رُو سے درست نہیں کیونکہ شرعی معنوں میں وہ لونڈیاں لونڈیاں ہی نہیں یہ امر کہ لونڈیوں کے متعلق شریعت اسلامی کا کیا حکم تھا اور وہ موجودہ رواج سے الگ تھا یا نہیں میں ابھی دکھاؤنگا مگر اسجگہ میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ رواج لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کا جو آجکل بعض اسلامی ممالک میں درست سمجھا گیا ہے اگرچہ واقعی نکاح کی رسم ادا نہ بھی ہو تو بھی نکاح کی ہی ایک صورت ہے اور کسبیوں کی حالت یا زنا سے ایسا ہی الگ ہے جیسا کہ خود رواج نکاح یا دیگر

سیل صاحب نے اس رواج کو کسبیوں کے پیشہ کے برابر ٹھہرایا ہے اور اگر اس
نے عمداً حق کو نہیں چھپایا تو کم از کم اسمیں سخت غلطی کھائی ہے۔ کسبیاں
وہ عورتیں ہیں جنکا پیشہ یہ ہے کہ جو شخص کچھ معاوضہ انہیں دیدے اسی سے
ارتکاب زنا کریں۔ مگر لونڈی کو گھر میں ڈال لینے سے یہ منشا ہے کہ آقا اس کو بطور بیوی
کے رکھے بلحاظ حیثیت کے نہیں بلکہ بلحاظ تعلقات زن شوہری کے لونڈی اپنے آقا
کی جورو کی طرح ہوتی ہے اور آقا اُس لونڈی کا خاوند ہوتا ہے۔ یہ کسقدر بیحیائی ہے کہ ایسی
لونڈیوں کو کسبیاں کہا جائے کیا وہ بازار میں بیٹھتی ہے یا سوائے اپنے آقا کے
جو اُس کا خاوند ہوتا ہے کسی اور سے ہمبستری کرتی ہے یا کسی سے کچھ معاوضہ لیتی ہے۔ پھر
یہ کسقدر جرأت ہے کہ ایک ایسے رواج کو جو بعینہ نکاح کے مطابق ہے خواہ اس میں
رسم نکاح ادا نہ بھی ہوئی ہو کسبیوں کے پیشہ کے برابر بنایا جاوے۔ نہ ہی اس طرح
لونڈی کو گھر میں ڈال لینے کو زنا ہی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایک شخص جو مثلاً ایک بیوی
کے ہوتے ہوئے ایک لونڈی کو گھر میں ڈال لیتا ہے وہ گویا دو بیویاں رکھتا ہے
وجہ اس کی یہ ہے کہ زنا کی اولاد کسبیوں کی اولاد اپنے باپ کی کبھی وارث نہیں سمجھی
گئی۔ مگر جو رواج لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کا ہے اُس کی رو سے یعنی ان
لونڈیوں کی اولاد جو آقا سے پیدا ہوتی ہے وہ آقا کی صحیح اور جائز اولاد سمجھی جاتی ہے۔ اور
اُسکی جائز وارث ہوتی ہے بعینہ اُسی طرح جس طرح نکاح کی اولاد وارث
ہوتی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لونڈی کو بطور بیوی کے
گھر میں رکھا گیا ہے۔ ورنہ اسکی اولاد کو وہ حقوق کیونکر مل سکتے تھے
جو ایک بیوی کی اولاد کو ملتے ہیں۔ ایسا ہی ایسی لونڈی کا سوائے اپنے
آقا یعنی خاوند کے کسی دوسرے سے ہمبستر ہونا قانوناً زنا سمجھا جاتا ہے
پس اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بطور بیوی کے گھر میں رہتی ہے

اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف حیثیت کا ہے کہ وہ آزاد بیوی کے برابر حیثیت نہیں رکھتی پس اگر ایسے تعلقات پر کوئی اعتراض آسکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ نکاح کی ایک ادنیٰ صورت ہے جس میں عورت کو برابری کے حقوق نہیں دیئے گئے۔ اور رسم نکاح اس طرز پر ادا نہیں ہوتی جس طرز پر آزاد عورتوں کی رسم نکاح ادا ہوتی ہے۔ مگر زنا یا کسبیوں کے پیشے کے یہ رواج ایسا ہی مخالف ہے جیسا کہ رواج نکاح۔ بلکہ یورپ کے مہذب ممالک میں یہ رواج چلا آتا ہے کہ خاوند کا جب جی چاہے تو علاوہ منکوحہ بیوی کے ایک یا دو یا جسقدر چاہے معشوقہ بھی رکھے خصوصاً انگلستان میں تو یہ بہت ہی آسان امر ہے کیونکہ صرف زنا قانون انگلستان کے رو سے نہ فوجداری جرم ہے اور نہ ہی خالی خاوند کے زنا کی وجہ سے بیوی طلاق حاصل کر سکتی ہے یہ مہذب رواج بھی جسکی کوئی حد بندی نہیں زنا کی تعریف میں ہی آتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ اس کی روک کوئی نہیں مگر ایسے تعلقات کی اولاد جائز اولاد نہیں سمجھی جاتی۔ لونڈیوں کے گھر میں ڈال لینے کو ان تمام باتوں سے کوئی نسبت نہیں اس کو صرف نکاح کی ایک رواجی صورت کہہ سکتے ہیں جس میں باوجود بعض نقائص کے نکاح کے اغراض حاصل ہیں۔ اس قسم کے رواج اب تک بعض عیسائی ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں خواہ بیل صاحب کو انکا علم نہ ہو یا علم ہو تو وہ عموماً اخفا کرتے ہوں۔ خصوصاً جرمنی میں یہ رواج اب تک موجود ہے۔ ہاں فرق صرف یہ ہے کہ وہاں اگر منکوحہ بیوی کی اولاد موجود ہو تو لونڈی کی اولاد کو ورثہ میں کوئی حصہ نہیں ملتا اور اگر منکوحہ بیوی سے اولاد کوئی نہ ہو تو اس صورت میں لونڈی کی اولاد کو باپ کی جائداد کی ایک تہائی ملتی ہے پس اصولاً لونڈی کو بطور بیوی کے رکھ لینے کا منشا اس سے نکاح کا ہی ہوتا ہے مگر شریعت اسلامی نے کونسا طریق پسند کیا ہے۔ اسکو میں اب بیان کرتا ہوں

اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ قرآن شریف اور صحیح احادیث اور سنت نے لونڈی کے ساتھ نکاح کے متعلق کیا ہدایات کی ہیں۔ اسلام سے

پہلے منجملہ اور بدرسوم کے ایک یہ قبیح رسم بھی مروج تھی کہ لونڈیوں سے مجبور کرکے
کسبیوں کا پیشہ کرایا جاتا تھا اور اس سے جو مال حاصل ہوتا تھا اس کا فائدہ آقا کو پہنچتا
تھا۔ اس بدرسم کا اور پھر اسلام کے ذریعہ اس کے موقوف کئے جانے کا ذکر قرآن شریف
میں موجود ہے۔ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ
تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (سورہ نور) یعنی تمہاری لونڈیاں
جو پاک دامن رہنا چاہتی ہیں ان کو دنیا کے مال کے فائدہ کے لئے حرامکاری پر مجبور نہ
کرو۔ اور صرف اس نے اصلاح پر بس نہیں کی بلکہ ساتھ ہی اس سے پہلے آیت میں یہ
فرمایا جس کا منشاء یہ تھا کہ اس قسم کی بدکاری کو جڑ سے کاٹا جاوے کہ وَاَنْكِحُوا
الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا
فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اور جن کے تم میں سے بیاہ نہیں ہوئے
ہوئے ان کے نکاح کر دو اور ایسا ہی اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک بخت
ہوں نکاح کر دو۔ یہاں صاف الفاظ میں غلاموں اور لونڈیوں کے آقاؤں کو حکم ہے کہ ان
کے نکاح کر دیا کریں۔ اگرچہ غلاموں لونڈیوں کا آزاد لوگوں سے الگ اختیار رکھا گیا تھا۔
مگر ضرورت کے وقت قرآن شریف نے آزاد مرد کو لونڈی سے آزاد عورت کو غلام سے
نکاح کرنے کی اجازت دیدی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امتیاز کو قرآن شریف نے
ایک عارضی امتیاز ٹھہرایا تھا۔ جو صورتیں اس کی قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں وہ
حسب ذیل ہیں۔ اول سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۲ رکوع ۲۷۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ
حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا
الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانو
نہیں چاہئے کہ وہ مشرک عورتوں سے جبتک وہ ایمان نہ لے آئیں نکاح کریں بلکہ شرک
کرنیوالی آزاد عورت خواہ کیسی ہی بھلی کیوں نہ لگے۔ اس سے مسلمان لونڈی بہتر ہے۔

اور نہ ہی اپنی آزاد عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں دینا چاہیے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں چاہے مشرک تم کو کیسا ہی بھلا کیوں نہ لگے اُس سے مسلمان غلام بہتر ہے۔

یعنی مشرک عورت سے نکاح کرنے کی نسبت مسلمان لونڈی سے نکاح کر لینا بہتر ہے پس اس آیت کی رو سے آزاد مردوں اور لونڈیوں اور آزاد عورتوں اور غلاموں میں نکاح جائز قرار دیئے گئے۔ دوسرا موقعہ سورۃ النساء آیت ۲۹ و ۳۰ ہے۔ جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ
أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُم ۚ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۚ
فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنٰتٍ
غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَلَا مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ
بِفٰحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ
ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنكُمْ ۚ وَأَن تَصْبِرُوا
خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

اور تم میں سے جس کو مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو تو مسلمان لونڈیوں سے جو تمہارے قبضہ میں آ چکی ہیں نکاح کر لے اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے (آزاد اور غلام الخ) تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہی ہو پس لونڈی کے اہل سے اذن سے اُنکے ساتھ نکاح کر لو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ان کے حوالے کرو بشرطیکہ وہ نکاح کی قید میں ہو کر رہیں نہ کھلی بدکاری کرنیوالی ہوں اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والی۔ پھر اگر وہ نکاح میں رہنے کے بعد ارتکاب زنا کریں تو ان کی سزا آزاد بیاہی عورت کی سزا سے نصف ہے۔ یہ اجازت (لونڈیوں سے نکاح کرنے کی) تم میں سے ان لوگوں کے لئے ہے۔ جس کو اندیشہ ہو کہ (اگر وہ نکاح نہ کریگا تو) کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے گا۔ اور اگر تم صبر کرو تو تمہارے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اللہ بڑا حفاظت کرنیوالا مہربان ہے۔ ان آیات

کئی باتیں صاف ہوتی ہیں سب سے پہلے تو پادری سیل صاحب کا یہ جھوٹا اعتراض ہی دور ہو جاتا ہے
کہ اسلام نے لونڈیوں کو غیر بیوی کی طرح رکھنے کی اجازت دی۔ یہاں صاف فرما دیا ہے۔ کہ
لونڈی بھی قید نکاح میں ہو کر رہے اور نہ کھلی بدکاری بازاری عورتوں کی طرح کرے۔ اور نہ چھپے
آشنا رکھے یعنی جیسے بعض عورتیں گھروں میں رہ کر زنا کرتی ہیں۔ دوسرا ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ کس وقت اور کن شرائط کے ماتحت ایک آزاد مرد ایک لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور تیسرا یہ کہ لونڈی
اگر خاوند کے سوا کسی دوسرے سے تعلق رکھے گی تو اس کو مرتکب زنا سمجھ کر سزا دی جاویگی نز

جہاں تک میں نے اس سوال پر غور کیا ہے قرآن کریم سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آقا کو
اختیار تھا کہ جس وقت جس لونڈی سے چاہے صرف اس وجہ سے کہ وہ اس کی مملوکہ ہے وطی
کرے یہ ایک غلط نتیجہ ہے جو اس آیت سے نکالا گیا ہے۔ والذین ہم لفروجہم
حافظون الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم اس سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ازواج کو
ما ملکت ایمانہم سے الگ بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ما ملکت ایمانہم کو بغیر زوجیت میں لانے کے
آقا کو ان سے وطی کرنا جائز تھا یہ ٹھیک نہیں۔ ازواج اور مملوکات یمین کو الگ بیان کرنے
کا منشاء صرف اس امتیاز کو ظاہر کرنا تھا۔ جو آزاد عورتوں اور لونڈیوں میں رکھا گیا تھا۔ اس امتیاز
کی شہادت قرآن کریم سے بھی ملتی ہے۔ کیونکہ عام طور پر یہ اجازت نہیں دی گئی کہ آزاد مرد
لونڈیوں سے نکاح کریں بلکہ سخت مجبوری کی حالت میں اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ایک
شخص ضرورت نکاح کی بھی رکھتا ہو۔ پھر اسے کوئی آزاد عورت خواہ وہ غریب ہی ہو نہ
مل سکتی ہو اسے ڈر بھی ہو کہ اگر نکاح نہ کیا تو بدکاری میں مبتلا ہو جائیگا۔ تب وہ لونڈی سے
ہی نکاح کرے مگر پھر بھی ساتھ فرما دیا ہے کہ صبر کرو تو بہتر ہی ہے پس جب وہ خود قرآن
شریف نے آزاد عورتوں اور لونڈیوں کی حیثیت میں اسقدر فرق رکھا ہے اور لونڈی
کے ساتھ نکاح کی صرف مجبوری کی حالت میں اجازت دی ہے تو پھر کیا ضروری نہ
تھا کہ لونڈیوں کا ذکر ازواج یعنی آزاد عورتوں سے الگ کیا جاتا۔ لفظ زوج میں اصل

ایک طرف خاوند یا بیوی ہونیکا مفہوم موجود ہے ساتھ ہی ایک برابری کا مفہوم بھی موجود ہے کیونکہ زوج جوڑے کو کہتے ہیں یعنی وہ دونوں چیزیں ایک ہی اور ایک دوسرے کی ہم پلہ ہوں۔ مگر چونکہ لونڈی میں حقیقت کی مساوات خاوند کے ساتھ نہیں پائی جاتی تھی۔ اسواسطے اس کو ازواج سے الگ کرکے بیان کیا علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ الفاظ ما ملکت ایمانہم کا مفہوم صرف لونڈیاں نہیں بلکہ اس میں لونڈیاں اور غلام دونوں داخل ہیں پس یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ ہم ان الفاظ کے مفہوم کی تحدید نہیں کر سکتے کیونکہ ان معنوں میں اسقدر عمومیت ہے کہ تحدید کرنی لازمی ہے لیکن جب کسی وجہ پہ ایک طرح کی تحدید ہو سکتی ہے تو کسی دوسری کافی وجہ پہ کوئی اور قید بھی انہی معنوں پر لگ سکتی ہے اور یہ قید کہ وہ مملوکہ عورتیں جنکا یہاں ذکر ہے نکاح میں بھی داخل ہونی چاہئیں نہ صرف اسی جگہ سے جہاں یہ الفاظ استعمال ہوئے ظاہر ہے بلکہ قرآن شریف کی صریح نص جو دوسری جگہ موجود ہے اس تحدید کو ضروری ٹھہراتی ہے

میرا دعویٰ یہ ہے کہ جہاں قرآن شریف نے آزاد مردوں کے لئے ازواج کے علاوہ لونڈیوں کو بھی جائز ٹھہرایا تو اس کا منشاء یہ تھا کہ لونڈیاں بلا نکاح ہی گھروں میں ڈال لی جاویں یا جس کی ملک میں ہوں وہ ان سے بلا نکاح وطی کرے بلکہ منشاء اس حکم کا یہ تھا کہ آزاد مردوں کو یہ اجازت ہے کہ ضرورت کے وقت لونڈیوں میں سے بھی بیویاں بنا لیں یعنی ان کو اپنے نکاحوں میں لے آویں۔ اب اس دعوے کے دلائل میں بیان کرتا ہوں سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف نے خود ہی تمام مومنوں کو صاف اور صریح الفاظ میں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے عباد یعنی غلاموں اور اماء یعنی لونڈیوں کے نکاح کر دیویں۔ اب یہ دعویٰ کہ قرآن شریف لونڈیوں کے آقاؤں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ صرف ان کے مملوک ہونے کی وجہ سے وطی کر لیا کریں پہلے حکم کے خلاف ہے۔ اگر یہ اجازت تھی تو پھر ان نکاحوں کے حکم دینے

کی کیا ضرورت تھی یہ دونوں باتیں خود ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں کہ ایک طرف آقا کو کہا جائے کہ تم اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے سے کر دو اور دوسری طرف سے کہا جائے کہ تم بلا نکاح خود اس سے وطی کر لیا کرو۔ اگر لونڈی کے محض مملوکہ ہونے کی وجہ سے آقا کو اس کے ساتھ وطی کا حق پیدا ہو جاتا تھا اور ملک ہی قائمقام نکاح تھی تو پھر نکاح کا حکم کیوں دیا گیا۔ جب ایک ایسی صورت موجود ہے کہ ایک مرد اور عورت میں میاں بیوی کا تعلق موجود ہے تو پھر اس تعلق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ تم اس لونڈی کا نکاح کہیں اور کر دو خلاف عقل ہے۔ مگر چونکہ سورہ نور نے قطعی طور پر آقا کو اپنی لونڈیوں کے نکاح کر دینے کا حکم صاف الفاظ میں دیا ہے پس اس حکم کے ہوتے ہوئے کوئی کتاب یہ اجازت نہ دے سکتی تھی کہ آقا خود بھی بلا نکاح اسے بطور منکوحہ کے استعمال کرے پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک آقا اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے مرد یا غلام سے کر دیوے تو کیا پھر بھی ملکِ یمین کے حق سے اس لونڈی کے ساتھ وہ وطی کر سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب نفی ہے۔ یعنی ایسا حق اس کو ہرگز نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر اس کا جواب نفی میں دیا جاوے تو ساتھ ہی اس دعوے کی بھی نفی ہو جائیگی۔ کہ ملکِ یمین سے وطی کا حق آقا کو حاصل ہو جاتا تھا کیونکہ ملکِ یمین تو باوجود نکاح کے ویسی کی ویسی موجود ہے۔ اور اگر ملکِ یمین سے بدون کسی اور شرط کے وطی جائز تھی تو پھر مذکورہ بالا سوال کا جواب بھی ہاں ہوگا۔ مگر قرآن شریف اس جواب کی تردید کرتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ قرآن شریف محض ملکِ یمین سے وطی کی بھی تردید کرتا ہے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ الفاظ ما ملکت ایمانہم کو محض مملوک کے عام اور وسیع معنوں میں نہیں لے سکتے بلکہ اول تو اس سے مراد مملوکہ عورتیں ہیں اور پھر ان میں سے وہ عورتیں جنکو بطور بیویوں کے نکاح میں لایا گیا ہے۔

اس طریق پر جو سورہ نساء آیت ۲۹ و ۳۰ میں بیان کیا گیا ہے یہ امر بھی قابل ذکر ہے
کہ جہاں ان آیت میں لونڈیوں سے نکاح کا صاف الفاظ میں حکم دیا ہے وہاں بھی وہی
الفاظ ما ملکت ایمانکم ہی استعمال کئے ہیں۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ لونڈیاں جن سے نکاح
کیا گیا ہے وہ بھی ما ملکت ایمانکم میں ہی داخل ہیں۔ ہم ہمیں ماننا پڑیگا کہ اس آیت
وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ
میں منکوحہ لونڈیاں جن کے ساتھ حسب ارشاد آیت سورہ نساء نکاح کئے گئے ہیں اور
ایسا ہی دوسری منکوحہ لونڈیاں زیر الفاظ ما ملکت ایمانھم داخل ہیں۔ کیونکہ نکاح
سے وہ مملوک ہونے سے نہیں نکل گئیں۔ پس جس صورت میں کم از کم ما ملکت ایمانھم
میں منکوحہ لونڈیاں بھی داخل ہیں تو یہ مفہوم ان الفاظ سے نہیں نکالا جا سکتا کہ یہ صرف
وہی لونڈیاں ہیں جنسے ملک یمین سے وطی کیجاوے اور ملک یمین کی نسبت ہی مفقود ہو گئی
علاوہ ازیں جب قرآن کریم نے اسبات کی تصریح کر دی کہ کن صورتوں میں آزاد مرد لونڈیوں سے
نکاح کر سکتا ہے تو یہ خیال کرنا کہ اس کے علاوہ کوئی اور قانون بھی ہے جس کا قرآن شریف میں
ذکر نہیں غلطی ہے۔ ان آیات میں وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا میں کل آزاد مرد داخل ہیں
اور کوئی استثناء نہیں کہ جس کے اں لونڈی اپنی ملک کی موجود ہو وہ نکاح نہ کیا کرے۔
اسی کی شہادت قرآن کریم کے دیگر مقامات سے ملتی ہے۔ سورہ احزاب میں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالے مسلمانوں کے متعلق فرماتا ہے
قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے
کہ ازواج اور ما ملکت ایمانہم کے معاملہ میں جو کچھ اللہ تعالے نے قرآن کریم میں مقرر فرمایا ہے
اس کا ذکر قرآن شریف میں کسی جگہ کیا بھی گیا ہے۔ سو یہ ذکر سوائے سورہ نساء کی ان
آیات کے جو اوپر لکھی گئی ہیں اور کسی جگہ موجود نہیں۔ یہی ایک مقام ہے جہاں مفصل
یہ بیان فرمایا ہے کہ کن حالات میں لونڈیوں سے نکاح کرنا چاہیئے اور کس طرح ان کا مہر ادا کرنا

چاہیئے۔ پس سورہ احزاب میں جو اشارہ ہے وہ انہیں آیات کی طرف ہے۔ اس کے سوائے دوسری آیات میں سوائے اس کے ذکر نہیں کہ مومنوں کو ازواج اور ماملکت ایمان کے سوا سے اپنے فروج کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ سو ایسے مقامات پر ازواج یا ماملکت ایمان کے بارے میں کچھ بیان نہیں کیا۔ یہ بیان ازواج کے متعلق تو قرآن شریف کے مختلف مقامات میں ہے مگر مملوکوں کے بارے میں سوائے سورہ نساء کی ۲۹ اور ۳۰ آیت کے اور کسی جگہ نہیں پس قرآن شریف نے خود یہ تصریح فرمادی ہے کہ ماملکت ایمانکم کے بارے میں جو کچھ قرآن شریف میں دوسری جگہ فرض کر دیا گیا ہے اس کے سوا اور اس کا کچھ منشاء نہیں ہے۔

ایک موقعہ اور بھی قابل ذکر ہے سورہ نساء کی ابتدائی آیتوں میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں جنکو تم اپنے نکاح میں لاؤ انصاف قائم نہ رکھ سکوگے تو دوسری عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں دو دو تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو لیکن اگر تم کو اندیشہ ہو کہ بھی بیویوں میں عدل نہ کر سکوگے تو پھر (نکاح کرو) ایک ہی بی بی سے یا ان سے جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوچکے۔ اب اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ واحدۃ اور ماملکت ایمانکم دونوں فعل جسقدر انکحوا کے نیچے ہیں اور دوسرا کوئی فعل اس آیت میں یا اس سے پہلی آیتوں میں ایسا نہیں جس کے متعلق ان کو کر سکیں۔ کم از کم اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ واحدۃ اور ماملکت ایمانکم ایک ہی حالت میں ہیں۔ اگر ایک ہی بی بی بغیر نکاح کے آدمی کے لئے درست نہیں ہو سکتی تو ماملکت ایمانکم بھی بغیر نکاح کے درست نہیں ہو سکتی پس یہ آیت بھی لونڈیوں سے نکاح پر قطعی دلالت کرتی ہے۔ مگر اس جگہ بھی وہ احکام

بیان نہیں ہوئے جنکا اشارہ سورہ احزاب میں پایا جاتا ہے بلکہ تفصیل احکام کے لئے ہمیں انہیں آیتوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جو ومن لم یستطع سے شروع ہوتی ہیں ؟

اس طرح پر کم از کم چار موقعہ قرآن کریم میں ایسے موجود ہیں جن میں نہ صرف صفائی اور صراحت سے لونڈیوں سے نکاح کا حکم بیان ہے یعنی سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۲ جس میں یہ ارشاد ہے کہ نکاح کرنے کے وقت آزاد مشرکہ پر مسلمان لونڈی کو ترجیح دیا کرے سورہ نور کی ۳۲ ویں آیت جس میں صاف حکم ہے کہ اپنے غلام اور لونڈیوں کے نکاح کر دیا کرو۔ سورہ نساء کی تیسری آیت جس میں لونڈیوں سے نکاح کرنیکی اجازت ہے اور اسی سورہ کی انتیسویں اور تیسویں آیتیں جن میں وہ حالات بیان کئے گئے ہیں جن کے ماتحت ایک آزاد مسلم مسلمہ لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور صرف دو موقعہ ایسے ہیں جن میں قرآن شریف نے سوائے ازواج اور ماملکت ایمان کے دوسری عورتوں سے منع کیا ہے جس سے ملک یمین نکالی جاتی ہے۔ مگر میں یہ دکھا چکا ہوں کہ اس جگہ مقصود صرف آزاد عورتوں اور لونڈیوں کا مقابلہ ہے اور الفاظ ماملکت ایمانہم کے دریع معنے نہیں لئے جا سکتے بلکہ ان پر بعض قیود لگائی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک طرف جب قرآن شریف ہی حکم دیتا ہے کہ اپنی لونڈیوں کے نکاح کر دیا کرو تو کم از کم ایسی منکوحہ لونڈیوں کیساتھ ملک یمین سے وطی جائز ہو سکتی تھی بلکہ پھر یہ فعل زنا کی تعریف میں آئیگا۔ ایسے ہی یہ قید بھی ضروری ہے کہ وہ لونڈیاں بغیر نکاح کے تصرف میں نہ لائی جاویں کیونکہ اس کا ذکر سورہ نساء کی آیت ۲۹ و ۳۰ میں بالصراحت موجود ہے اور علاوہ انہیں ازواج کا مقابلہ مملوک سے خود انہی معنوں کو چاہتا ہے۔ گویا مقصود ان مقامات پر صرف اسقدر بیان کرنے کا ہے۔ کہ لونڈیوں کے ساتھ بھی نکاح

جائز ہے۔ کن صورتوں میں جائز ہے اس کا پتہ دوسرے مقام سے ملتا ہے علاوہ
ازیں یہ بات خود ظاہر ہے کہ جہاں مرد و عورت کے تعلق کا ذکر ہے وہاں نکاح کا
مفہوم خود ضروری ہے اس کی میں دو مثالیں دیتا ہوں سورہ نساء میں ہی اللہ
تعالےٰ فرماتا ہے وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمیٰ۔ اس جگہ فقط تو صرف یتامی
ہوا مگر مراد اس سے ہر قسم کے یتیم یعنی یتیم لڑکیاں اور ان میں بھی وہ جو باوجود یتامی ہونے
کے نکاح میں لائی جاویں گی وہاں صرف مملوک کا ذکر کر کے مراد لیا ہے مملوکہ عورتیں
جو نکاح میں لائی جاویں اگر کسی کو ایک جگہ ایسے معنے لینے میں اعتراض ہے تو
دوسری جگہ کیوں نہیں۔ دوسرا موقعہ سورہ احزاب کی آیت ہے یاایھا النبی
انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورھن وما ملکت یمینک مما افاء اللہ
علیک وبنت عمک وبنت عمتک وبنت خالک وبنت خلتک التی ھاجرن معک
اس آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال کی گئی
ہیں اول آپکی ازواج جن کے آپ مہر دے چکے ہیں۔ دوئم مملوکہ یمین جو خدا نے آپ
کو دی ہیں۔ سوئم۔ چچا اور پھوپھیوں اور ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں۔ اب اگر
مملوکہ یمین بغیر ازدواج کے داخل ہونے کے حلال ہوتیں تو پھر چاہیئے کہ قسم
سوئم کی عورتیں یعنی چچا وغیرہ کی بیٹیاں بھی بغیر ازدواج میں داخل ہونے کے
حلال ہوتیں۔ پس ایک تو اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ملک یمین والی
عورتیں بھی آپ کے لئے اسی صورت میں حلال تھیں کہ آپ ان سے نکاح
کرتے جیسا کہ چچا وغیرہ کی بیٹیاں بھی نکاح کرنے کے بعد ہی حلال تھیں اور
دوسرا یہ ثابت ہوا کہ اسی قسم کی آیت جو الا ازواجھم او ما ملکت ایمانھم
ہے وہاں بھی ملک یمین والی عورتیں ازواج کی طرح ہی نکاح میں آنی چاہئیں ہیں
ہمیں سمجھانا اس سے بڑھکر صریح شہادت اس امر کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ لونڈیاں کے

ساتھ نکاح ضروری تھا۔ خواہ وہ اپنی لونڈی ہو یا دوسرے کی ہو
یہ تو قرآن شریف کی شہادت ہے اور اس سے بڑھکر معتبر شہادت اور کوئی
پیش نہیں ہو سکتی۔ مگر وہ ذرائع شہادت کے اور بھی ہیں جو قرآن کریم کے مؤید ہیں یعنی
حدیث اور سنت یا عمل رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم وصحابہ کبار رضی اللہ عنہم ان میں
سے حدیثوں میں میں سب سے زیادہ معتبر کتاب بخاری کو لیتا ہوں کہ اس میں
اس امر کے متعلق کونسی حدیثیں آئی ہیں کوئی حدیث اصح الکتب بعد کتاب اللہ
میں ایسی نہیں ملتی جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ صرف ملک یمین سے اور بغیر نکاح
کے لونڈی سے وطی کرنا جائز ہے بلکہ ایک نبی حدیث جو اس امر کے متعلق ملتی ہے
اس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔ یہ حدیث امام بخاری علیہ السلام
نے دو جگہ دو مختلف روایتوں سے بیان کی ہے۔ ایک غلاموں کی آزادی کے
باب میں اور دوسری جگہ نکاح کے باب میں پہلے موقعہ پر جس طرح یہ حدیث آئی
ہے اس کو میں اپنے موقعہ پر گذشتہ مضامین میں بیان کر چکا ہوں۔ دوسرے موقعہ پر
یہ حدیث اس طرح پر آئی ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایما
رجل کانت عندہ ولیدۃ فعلمہا فاحسن تعلیمہا وادبہا فاحسن
تادیبہا ثم اعتقہا وتزوجہا فلہ اجران وایما رجل من اھل الکتاب
آمن نبیہ وآمن بی فلہ اجران وایما مملوک ادی حق موالیہ
وحق ربہ فلہ اجران۔ **ترجمہ**۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس
شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اُسے تعلیم دے اور نہایت عمدہ تعلیم دے اور
اس کو اخلاق سکھائے اور نہایت عمدہ اخلاق سکھائے پھر اس کو آزاد کرے
اور پھر اس سے نکاح کرے تو اس کو دوہرا اجر ملیگا۔ اور جو شخص اہل کتاب سے
اپنے نبی پر ایمان لائے اور مجھ پر بھی ایمان لائے تو اس کو دوہرا اجر ملیگا

اور جو غلام اپنے آقا کا حق ادا کرے اور اپنے رب کا حق بھی ادا کرے تو اس کو دوہرا اجر ملیگا۔ اب ان الفاظ سے یہ مطلب نہیں کہ جو شخص ان باتوں کی خلاف ورزی کرے اس کو بھی ایک اجر ضرور ملیگا۔ مثلاً اہل کتاب میں سے جو شخص اپنے نبی پر ایمان لاتا ہے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا وہ نافرمان ہے اور غلام جو اپنے آقا کے احکام کی فرمانبرداری کرتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کے احکام کی فرمانبرداری نہیں کرتا وہ بھی بے فرمان ہے۔ اسیطرح جو شخص لونڈی کو بغیر تعلیم دینے اور آزاد کرنے کے اور بغیر نکاح کرنے کے وطی کرتا ہے وہ بھی نافرمان ہے۔ تینوں صورتیں ایک سی ہیں گویا ان میں صرف ترغیب ہی نہیں بلکہ حکم ہے کہ ہر ایک آدمی کو ایسا ہی کرنا چاہیئے دوہرا اجر اسواسطے کہا کہ دو کام نیکی کے ایسے شخص نے کئے۔ لونڈی کو تعلیم بھی دی اور اسے آزاد کرکے اس سے نکاح بھی کیا۔ اہل کتاب اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی ایمان لایا غلام نے اپنے آقا کا حکم بھی مانا اور خداوند تعالےٰ کے احکام کو بھی بجالایا۔ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کسقدر تاکید کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص کی پاس لونڈی ہو تو اُسے چاہیئے کہ اُسے تعلیم بھی اعلےٰ درجہ کی دے آزاد بھی کرے اور پھر اس سے نکاح بھی کرے۔

ایک اور حدیث جسے امام بخاری علیہ السلام نے باب نکاح میں ہی بیان کیا ہے اس مضمون پر روشنی ڈالتی ہے۔ عن انس رضی اللہ عنہ قال اقام النبی صلے اللہ علیہ وسلم بین خیبر والمدینة ثلثا یبنی علیه بصفیة بنت حیی فدعوت المسلمین الی ولیمته فما کان فیها من خبز ولا لحم امر بالانطاع فالقی فیها من التمر والاقط والسمن فکانت ولیمته فقال المسلمون احدی امہات المؤمنین او مما ملکت یمینه فقالوا ان حجبها فهی من امہات

المؤمنین شانہ بحجبہا فہی ممامکت یمینہ فلما ارتحل وطے لہا خلفہ ومد الحجاب بینہا
یعنی انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خیبر اور مدینہ کے
درمیان تین دن ٹھہرے جہاں صفیہ بنت حیی بطور عروس کے آپ کے پاس لائی
گئی پھر میں نے مسلمانوں کو آپ کے ولیمہ کے لئے دعوت کی اور اس میں روٹی
اور گوشت نہیں تھا۔ پھر دستر خوان بچھائے گئے اور ان میں کھجوریں اور پنیر اور
گھی ڈالا گیا سو یہ آپ کا ولیمہ تھا۔ پھر مسلمانوں نے آپس میں کہا کہ آیا امہات المومنین
میں سے ایک ہونگی یا ما ملکت یمینہ میں سے یعنی لونڈیوں میں سے آخر انہوں نے
یہ فیصلہ کیا کہ اگر آپ ان کو پردہ میں رکھیں تو انہیں امہات المومنین میں سے سمجھنا
چاہیئے اور اگر پردہ نہ رکھیں تو ما ملکت یمینہ میں سے ہونگی پس جب آپ نے
کوچ کیا تو اپنے پیچھے صفیہ رضی اللہ عنہا کو بٹھایا اور ان کے اور لوگوں کے
درمیان پردہ ڈال دیا۔

اس حدیث سے بہت سے ضروری نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا نتیجہ
جس کو مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں یہ ہے کہ یہودیوں کو فتح کرنے
کے بعد بھی آپ اپنے صحابہ کی دعوت میں گوشت اور روٹی نہیں دے سکتے
تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسقدر جھوٹ ہے جو کہا جاتا ہے کہ آپ کی جنگیں
لوٹ کی خاطر تھیں۔ یہودی وہ قوم جو دنیا میں ہر جگہ اپنی دولتمندی کے لئے مشہور
رہے ہیں اور جو مدت تک عیسائی بادشاہوں کے ہاتھوں سے سخت
ظلم اٹھاتے رہے محض روپے کی خاطر اور ان کو فتح کرنے کے بعد بھی آپ کی اور
آپ کے صحابہ کی یہ حالت ہو۔ پس یہ کسقدر ظلم ہے جو کہا جاتا ہے کہ لوٹ کی خاطر سب
کچھ کرتے تھے۔ مگر اس بحث سے اسجگہ ہمیں کوئی تعلق نہیں مضمون زیر بحث
کے متعلق جو نتیجہ اس سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ازواج اور ما ملکت ایمان

یعنی بیویوں اور لونڈیوں میں سوائے حجاب کے اور کوئی فرق نہ تھا۔ کیونکہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ نکاح بھی ہو چکا اور ولیمہ بھی ہو چکا تھا۔ اور ابھی مسلمان متذبذب تھے کہ آیا انہیں آپ کی بیوی قرار دیں یا لونڈی۔ اور سوائے حجاب کے اور کوئی فرق نہ تھا۔ نکاح وغیرہ کے مراسم اور باقی سب امور میں دونوں یکساں تھیں حضرت صفیہ جنگ میں بطور قیدی کے آئی تھیں اور آپ نے ان سے نکاح بھی کیا اور ولیمہ بھی ہو گیا مگر ان میں سے کوئی بات ایسی تمیز نہ تھی جس سے یہ فیصلہ ہو جاتا کہ وہ ام المومنین ہیں یا مملوکہ۔ فیصلہ کن امر صرف یہ تھا کہ حجاب بھی رکھتے ہیں یا نہیں اس سے ساری مشکلات حل ہو جاتی ہیں کیونکہ اصل تمیز حرہ اور مملوکہ میں نکاح کی نہ تھی۔ بلکہ حجاب کی تھی۔ اور یہ قرآن شریف کے بھی مطابق ہے کیونکہ قرآن شریف نے بھی اور کوئی فرق حرہ اور مملوکہ میں قرار نہیں دیا سوائے اس کے کہ مملوکہ کا رتبہ حرہ کے برابر نہ تھا۔ اور اسی لئے وہ پردہ میں نہ رکھی جاتی تھی ورنہ نکاح ایسا ہی ضروری تھا۔ جیسا حرہ کی صورت میں لازم

ایک اور حدیث سے جو وہ بھی بخاری میں مذکور ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح سے پہلے صفیہ آزاد بھی کر دی گئی تھیں۔ اس کے بعد بھی صحابہ کے متذبذب ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود آزاد کر کے نکاح کرنے کے بھی ایک عورت مما ملکت ایمان میں داخل ہو سکتی تھی۔ اور صحیح اور تمیز فرق حرہ اور مملوکہ میں سوائے حجاب کے کچھ نہ تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس سے پہلی حدیث کا منشا ہے کہ مالک کو حکم تھا کہ اگر وہ خود لونڈی سے نکاح کرنا چاہے تو اسکو آزاد کرنیکے بغیر نہ کرے یہی وہ طریق تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صفیہؓ کے نکاح میں ملحوظ رکھا۔ ان صحیح اور یقینی احادیث کے خلاف جنکی قرآن

شریف سے بھی تائید ہوتی ہے اگر کوئی کم پایہ کی ایسی حدیث بھی ہو جس میں کوئی ایسا واقعہ مروی ہو کہ کسی شخص نے ملک یمین سے بھی کی تو ایسے بلا تائید بیان کی ہم تصدیق نہیں کر سکتے کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اس کی تردید کرتے ہیں۔

تیسرا ذریعہ شہادت کا امر زیر بحث کے متعلق رسول اللہ علیہ وسلم کا اپنا طریق عمل ہے۔ کیونکہ ملکیت یمین جیسی مومنوں کے لئے جائز تھی ویسی ہی آپ کے لئے بھی جائز تھی۔ اس امر کو بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ ملکیت یمین والی عورتوں میں سے جویریہ اور صفیہ آپ کے پاس تھیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ ان دونوں کو آپ نے آزاد کر کے ان کے ساتھ نکاح کیا اس میں کچھ شک نہیں کہ دونوں آپ کے ملک یمین میں آ چکی تھیں کیونکہ سرکاری میں تھیں پھر آپ کو کیا ضرورت تھی کہ ان کو آزاد کرتے اور پھر ان سے نکاح کرتے۔ آپ کے اس عمل سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا منشاء وہی تھا جو آپ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ جس کے پاس لونڈی ہو اسے چاہیئے کہ اسے تعلیم دے اور آزاد کرے اور پھر اس سے نکاح کرے ایک طرف آپکے لفظ اور دوسری طرف آپکا امہات المومنین جویریہ اور صفیہ رضی اللہ عنہا سے یہ طریق عمل کہ محض ملک یمین سے انکو اپنے تصرف میں نہیں لائے بلکہ ہر دو کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا یہ قول اور فعل بھی اگر کسی کو اس بات کے حق ہونے کے قائل نہیں کر سکتے تو اس کا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں لیکن جو شخص آپکے قول اور فعل کی پیروی کرنا چاہتا ہے اس کے لئے یہ شہادت کافی ہے۔ ماریہ قبطیہ اور ریحانہ کے متعلق جو لکھا گیا ہے کہ ہر دو ملک یمین سے آپ کے تصرف میں تھیں بالکل غلط ہے ماریہ کے متعلق اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ حجاب میں رکھی گئی تھیں اور جیسا کہ ام المومنین صفیہ کے نکاح والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے حجاب ہی اصل امتیاز حرہ اور مملوکہ کے درمیان تھا پس ماریہ

تھیں تو نکاح بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا۔ ریحانہ کے متعلق بھی متعدد روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے
آزاد کر کے اس سے نکاح کیا۔ علاوہ ازیں اس امر کو تمام مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ آپ نے کبھی کوئی غلام
رکھا اور نہ لونڈی بلکہ جیسے ہی آپکی ملک میں کوئی غلام یا لونڈی آتا آپ اُسے آزاد کر دیتے پھر کیونکر ممکن تھا
کہ آپ خدمتگاروں تک کو تو غلامی میں رکھنا پسند نہ کرتے اور بیویوں کو غلامی میں رکھتے آپکے بعد
ہمارے لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا عمل دیکھنا کافی ہے سو اُن کے متعلق بھی بالاتفاق
تسلیم کیا گیا ہے کہ کوئی لونڈی اُنکے پاس نہ تھی جسکے ساتھ وہ ملک یمین سے وطی کرتے ہوں پس اگر یہ سمجھا
جاتا کہ نکاح اور ملک یمین دو الگ الگ باتیں ہیں اور جیسا نکاح سے مرد اور عورت کا تعلق جائز سمجھا جاتا تھا ایسا ہی
صرف ملک یمین سے بغیر نکاح کے ایسا تعلق جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل اور حضرت ابوبکر اور عمر
رضی اللہ عنہما کا عمل کیوں اس کے خلاف ہوتا بلکہ چاہیے تھا کہ جسطرح اُنکے پاس منکوحہ بیویاں تھیں ایسی
عورتیں بھی ہوتیں جنہیں وہ ملک یمین سے بغیر نکاح کے اپنے تصرف میں لاتے۔

یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ کوئی حدیث جس سے ملک یمین کیساتھ لونڈیوں کا تصرف میں لانا جائز معلوم
ہو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتی بلکہ آپکے الفاظ صاف نکاح کی ہی تائید کرتے ہیں پس جو اس قسم کی باتیں
ہیں اول تو اُن سے نکاح کی نفی نہیں ہوتی اگر ہو بھی تو وہ قرآن شریف صحیح احادیث اور سنت کے خلاف ہیں اسلئے ہم
اُنکو مگر ان تینوں کو نہیں چھوڑ سکتے جن پر مذہب اسلام کی بنا ہے۔ علاوہ ازیں لونڈیوں کے متعلق اس قسم کی باتیں
موجود ہیں جیسی منکوحہ عورتوں کے متعلق مثلاً یہ کہ دو بہنوں کا اکٹھا رکھنا یا بیٹے کا باپ کی موطوءہ لونڈی کا تصرف
میں لانا وغیرہ وغیرہ جو صاف طور پر قرآن شریف کے اس حکم سے لی گئی ہیں جو اس آیت سے شروع ہوتا ہے
حرمت علیکم امھاتکم الی آخر الآیۃ یعنی ان عورتوں سے تمہارے لئے نکاح کرنا حرام ہے ورنہ لونڈیوں
کیلئے کوئی الگ حکم قرآن شریف میں موجود نہیں کہ فلاں فلاں قسم کی لونڈیاں حرام ہیں اس سے بھی اسی بات
کی تائید ہوتی ہے کہ لونڈیوں کے ساتھ اسی طرح نکاح کیا جاتا تھا خواہ آزاد کر کے یا آزاد کرنے کے بغیر جس
طرح حرہ عورتوں سے نکاح کیا جاتا۔

تمت

آؤ اے عیسائیو! اے گبرو! — نورِ حق دیکھو راہِ حق پاؤ

جسقدر خوبیان ہیں قرآن مین — کہین انجیل میں تو دکھلاؤ

سر پہ خالق ہے اُسکو یاد کرو — یون ہی مخلوق کو نہ بہکاؤ

کب تلک جھوٹ سے کروگے پیار — کچھ تو سچ کو بھی کام فرماؤ

کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو! — کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

عیشِ دنیا سدا نہین پیارو — اس جہان کو بقا نہین پیارو

یہ تو ہے رہنے کی جا نہین پیارو — کوئی اس مین رہا نہین پیارو

اس سرا مین کیون لگاؤ دل — ہاتھ سے اپنے کیون جلاؤ دل

کیون نہین تمکو دینِ حق کا خیال — ہے سو سو طرح کے دل مین اُبال

کیون نہین دیکھتے طریقِ صواب — کیون پڑا ہے دلون پہ حجاب

اسقدر کیون ہو کین و شک کیا — کیون خدا یاد سے گیا یکبار

تمنے حق کو بھلا دیا ہیہات — دلکو پتھر بنا دیا ہیہات

اے عزیزو سنو کہ بے قرآن — حق کو ملتا نہین کبھی انسان

جنکو اس نور کی خبر ہی نہین — اُنپہ اُس یار کی نظر ہی نہین

ہے یہ فرقان مین اک عجیب اثر — کہ بناتا ہے عاشقِ دلبر

جسکا ہے نام قادرِ اکبر — اُسکی ہستی سے دی ہے یہ خبر

کون دلبر مین کھینچ لاتا ہے — پھر تو کیا کیا نشان دکھاتا ہے

دلمین ہر وقت نور بھرتا ہے — سینہ کو خوب صاف کرتا ہے

مجھے اوصاف کیا کرون بیان — وہ تو دیتا ہے جان کھولو آنکھ جان

وہ تو چمکا ہے نیرِ اکبر — اس سے انکار ہو سکے کیونکر

وہ ہمین دلستان تلک لایا — اُسکے ملنے سے یار کو پایا ۔۔۔۔

۲۵ جلد کے خریدار کے لئے خاص رعایت ہوگی۔

اشتہار کتب موجودہ

عصمت انبیاء ۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت قرآن شریف اور موقع موقع پر حدیث نبوی سے ثابت کر کے دکھایا گیا ہے۔ کہ ایسا کوئی مخالف اعتراض نہیں کر سکتا۔ دیکھنے کے قابل ہے قیمت ۱۰/

سرمہ چشم آریہ قیمت ۱۲/

عقائد اہل سنت الجماعت اردو مصنفہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ ۔ قیمت ۴/

مسٹر ویب کے لکچر قیمت ۳/

تائید محمد و القرآن یعنے ترجمہ اپولوجی فار محمد اینڈ قرآن مصنفہ جان ڈیون پورٹ قیمت ۸/

براہین احمدیہ معہ سوانح عمری ایام بانی میرزا غلام احمد صاحب قادیانی نیا چھپا قیمت ۵/

در ثمین نو طبع قیمت ۶/

کشف المحجوب اردو مصنفہ حضرت علی ہجویری گنج بخش صاحب لاہوری قیمت ۱۲/

تذکرۃ الاولیاء اردو مصنفہ حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ قیمت ۱۲/

قرآن کی حقیقت کا جواب قیمت ۱/

تفسیر کبیر مترجم جلد اول اردو مصنفہ حجۃ الاسلام امام فخر الدین رازی تقطیع کلاں ٹوسی کاغذ ایک صفحہ ۵۳۶ قیمت للعہ/

انوار قدسیہ مترجم اردو مصنفہ حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ یہ کتاب امام صاحب کی بے نظیر یادگار ہے اس کتاب میں تمام ان علامات اور نشانات کا مفصل ذکر ہے جس کا پایا جانا ہر ایک متعی ولایت کے لئے ضروری ہے منگا تقطیع کلاں قیمت ۱۰/

کتاب الروح مترجم اردو۔ اس میں روح کے متعلق نہایت شرح و بسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے قیمت ۸/

حدوث مادہ اس زمانہ میں مادہ کے حادث یا قدیم ہونے پر نہایت دلچسپ بحث کی گئی ہے قیمت ۱۱/

دیانندی الہام اس رسالہ میں بید کے منتر دیئے گئے ہیں اُن شرائط کی تردید کی گئی ہے جن کی بنا پر دیانند نے وید کو الہامی قرار دیا ہے۔ قیمت ۱/

بدور السافرہ مترجم اردو۔ یہ کتاب امام جلال الدین سیوطی کی تصنیف ہے جس میں قرآن کریم کے رو سے احوال گور و حشر و نشر حساب کتاب پلصراط حوض کوثر شفاعت میزان نشر اعمال بہشت دوزخ کا بیان ہے قابل دید کتاب ہے۔ قیمت ۹/

نیز یہ کتاب اور ہر ایک قسم کی کتابیں مرزا عبد الحمید تاجر کتب کشمیری بازار لاہور سے بھی مل سکتی ہیں ۔

تمام درخواستیں بنام شیخ احمد اللہ الدین پنڈ شمنز کشمیری بازار کوچہ کوٹھی مولوی الہ آبادی ...